طلوع اسلام کا اجراء 1938ء میں علامہ اقبالؒ کے ایماء اور قائد اعظمؒ کی خواہش پر عمل میں آیا

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ماہنامہ طلوعِ اسلام لاہور

بدل الاشتراک
سالانہ
پاکستان -170 روپے
غیر ممالک -800 روپے

ٹیلیفون : 5714546/5753666
Idara@toluislam.com
خط و کتابت
ناظم ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) 25/بی گلبرگ 2 لاہور

قیمت فی پرچہ
15/-
روپے

جلد 53 — اگست 2000 — شمارہ نمبر 08

Bank Account Number 3082-7, National Bank of Pakistan, Main Market Gulberg Branch, Lahore.

ادارت محمد سلیم اختر

مجلس مشاورت

ڈاکٹر صلاح الدین اکبر (اردو سیکشن)
بشیر احمد عابد (اردو سیکشن)
محترمہ شمیم انور (انگلش سیکشن)

: مرزا مرد بیگ
کمپوزر: شعیب حسین

انتظامیہ

چیئرمین :- ایاز حسین انصاری
ناظم :- اقبال ادریس
ناشر :- عطاء الرحمان ارائیں

قانونی مشیران

عبداللہ ثانی ایڈووکیٹ
ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ
محمد اقبال چوہدری ایڈووکیٹ

فہرست

لمعات	ادارہ	۳
سورۃ النحل (درس اول، آیات ۱ تا ۱۹)	غلام احمد پرویز	۷
محترم پرویز مشرف صاحب!	ڈاکٹر سید عبدالودود	۳۰
میں کرسچن کیوں نہیں ہوں؟	ڈاکٹر شبیر احمد	۳۷
پاکستان میں جمہوریت اور زمینی حقائق	خالد محمود	۴۷
دوسروں کو قائل کرنا اور مضبوط انسانی رشتے بنانا سیکھئے	عاطف طفیل	۵۲
کیا زکوٰۃ واقعی ایک معاشی نظام ہے؟	سہیل درانی	۵۹
حقائق و عبر	ادارہ	۶۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

وقت آنست کہ آئینِ دگر تازہ کنیم

مستقل اقدار کی رو سے اصول یہ ہے کہ جس قدر کوئی انسان' دوسروں کے لئے منفعت رسانی کا سامان بہم پہنچاتا ہے' اسی قدر اس کی انسانی زندگی سنورتی جاتی ہے اور اس قابل ہو جاتی ہے کہ وہ اپنی طبیعی زندگی کے بعد' زندگی کے مزید ارتقائی مدارج و معارج طے کر سکے۔ اپنے مستقبل کو تابناک بنانے کا خیال وہ جذبہ محرکہ ہے جس سے انسان' دوسروں کی خاطر زیادہ سے زیادہ محنت کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتا ہے۔ جسے بظاہر دوسروں کی خاطر "کچھ کرنا" کہا جاتا ہے وہ درحقیقت خود اپنے لئے ہوتا ہے۔

اس کے برعکس "جنگل کے قانون" والے نظریہ حیات کو' قرآن کفر سے تعبیر کرتا ہے۔ اس نے کفر اور حیوانی سطح کی زندگی کو مرادف قرار دیا ہے۔ سورۂ محمدؐ میں ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ (47:12)-

"جو لوگ کفر کرتے ہیں وہ حیوانات کی طرح کھاتے پیتے اور سامانِ زندگی سے متمتع ہوتے ہیں"۔

قرآن کریم اس نظریہ حیات کو غلط ٹھہراتا ہے اور اسے صحیح قرار دینے والوں کو باطل پر ایمان رکھنے والے کہتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخَاسِرُوْنَ (29:52)-

"جو لوگ اس باطل نظریہ حیات پر ایمان رکھتے ہیں اور خدا کے عطا کردہ صحیح نظریہ زندگی سے انکار کرتے ہیں وہ آخر کار سخت نقصان اٹھائیں گے"۔

یوں تو ایمان بالباطل آغاز ہی سے انسان کے ساتھ چلا آرہا ہے لیکن پہلے اس کی حیثیت انفرادی سی ہوا کرتی تھی۔ مغرب نے طبیعی کائنات میں کارفرما قانون کو انسانی زندگی پر منطبق کر کے اسے عالمگیر حیثیت بخش دی' جسے تہذیب مغرب کہا جاتا ہے۔ وہ اسی ایمان بالباطل۔ یعنی "جنگل کے قانون" کو نظریہ زندگی سمجھنے کا دوسرا نام ہے۔ مغرب نے اسے سائنس کا ایک عظیم انکشاف قرار دے کر فلسفہ حیات کے طور پر اختیار کیا۔ اسے مادی نظریہ حیات یا (Materialistic Concept of Life) کہا جاتا ہے اور چونکہ بدقسمتی سے اقوام مغرب دنیا میں اقوام غالب کی حیثیت کی حامل ہیں اس لئے ان کا یہ نظریہ حیات یا ایمان بالباطل تمام اقوام عالم میں نفوذ کر گیا۔ نتیجہ اس کا یہ نکلا کہ اب یہ قانون سارے دنیا کا عام چلن ہو گیا ہے۔

"جس کی لاٹھی اس کی بھینس" کے قانون پر ایمان نے دنیا میں یہ کیفیت پیدا کر رکھی ہے کہ کمزور قومیں ڈری اور سہمی

ہوئی ہیں جبکہ طاقتور قومیں بھی ایک دوسرے کی طرف سے مطمئن اور مامون نہیں ہیں۔ ہر قوم کو دوسری قوم سے خطرہ ہے۔ اس لئے کسی کو کسی پر اعتماد نہیں۔ چونکہ ان سب کا ایمان جنگل کے قانون پر ہے اس لئے ہر قوم زیادہ سے زیادہ قوت فراہم کرنے کی کوشش کرتی ہے اور زیادہ سے زیادہ حصول قوت کی دوڑ میں پاگل ہو رہی ہے۔

اقبال نے پہلی جنگ عظیم کے بعد اقوام مغرب سے کہا تھا۔

وقت آنست کہ آئینِ دگر تازہ کنیم
لوحِ دل پاک بشوئیم و زسر تازہ کنیم

آئینِ دگر سے اس کی مراد یہ تھی کہ جنگل کے قانون کی جگہ مستقل اقدارِ انسانیت کو آئینِ حیات قرار دے دیا جائے۔ اس وقت اس کی کسی نے نہ سنی اور اقوامِ مغرب اپنی وحشت سامانیوں میں آگے ہی آگے بڑھتی چلی گئیں۔ لیکن ہم سمجھتے ہیں اگر اس وقت بھی دنیا کی کوئی قوم اپنے نظام کو مستقل اقدار پر متشکل کر لے تو مردم گذیدہ انسان اس کی طرف لپک کر آئے گا۔ اقبال کو کسی ایسی ہی قوم کی تلاش تھی۔ اس نے 1923ء میں لکھا تھا کہ

> اقوامِ عالم کا باطنی اضطراب جس کی اہمیت کا صحیح اندازہ ہم محض اس لئے نہیں لگا سکتے کہ خود اس اضطراب سے متاثر ہیں۔ ایک بہت بڑے روحانی اور تمدنی انقلاب کا پیش خیمہ ہے۔ یورپ کی جنگ عظیم ایک قیامت تھی جس نے پرانی دنیا کے نظام کو قریباً ہر پہلو سے فنا کر دیا اور اب تہذیب و تمدن کی خاکستر سے فطرت زندگی کی گہرائیوں میں ایک "نیا آدم" اور اس کے رہنے کے لئے ایک "نئی دنیا" تعمیر کر رہی ہے۔ (دیباچہ پیام مشرق)

اس نے پاکستان کی "نئی دنیا" کا تصور اسی "نئے آدم" کی نمود کے لئے دیا تھا لیکن افسوس ہم بھی اقوام مغرب کی نقالی میں انہی فرسودہ راہوں پر چل نکلے اور اتنا نہ سمجھا کہ "جنگل کے قانون" کے مطابق ہم ان قوموں کا مقابلہ کر ہی نہیں سکتے جو طبیعی قوت میں ہم سے کہیں آگے نکل چکے ہیں۔ ہمیں چاہئے یہ تھا کہ ہم اپنے ہاں' اس بربریت کے قانون کی جگہ انسانیت ساز اقدار کو فروغ دیتے اور پھر دیکھتے کہ دنیا کی کوئی قوت بھی' ان کا مقابلہ کر سکتی ہے؟

قرآن نے جب کہا تھا کہ "لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ" مستقل اقدار پر مبنی نظام حیات' دنیا کے تمام دیگر نظام ہائے زندگی پر غالب آسکتا ہے تو اس نے یونہی شاعری نہیں کی تھی۔ اس نے اس حقیقت کو بیان کیا تھا کہ حیوان کتنی ہی عظیم قوت کا مالک کیوں نہ ہو جائے انسانی قوت کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ انسانی قوت سے مراد ان اقدار کی قوت ہے جن سے انسانیت تشکیل پذیر ہوتی ہے۔ ہم نے اس قوت کو کبھی آزمایا ہی نہیں اس لئے ہم اس کی عظمت و اہمیت کا اندازہ نہیں لگا سکتے اور آزمایا اس لئے نہیں کہ ہمیں اس پر ایمان نہیں۔ لیکن اس کے باوجود ہم سمجھتے ہیں کہ اس وقت دنیا کا کوئی خطہ زمین ان اقدار کی تجربہ گاہ بننے کے قابل ہو سکتا ہے تو وہ پاکستان ہی ہے۔ ہماری فضاؤں میں سرسید' اقبال' جناح کے تصورات ابھی تک جگمگا رہے ہیں۔ یہاں جس انداز سے قرآنی فکر عام ہو رہی ہے دنیا میں کسی اور جگہ اس کی مثال نہیں ملتی اور سب سے بڑی بات یہ کہ ہم نے اس ملک کو حاصل ہی اس مقصد کے لئے کیا تھا۔ لیکن افسوس ہماری یہ آرزو ابھی بہ تمام و کمال پوری نہیں ہوئی اور اس دن پوری ہو گی جب پاکستان میں قرآن کا مثالی نظام متشکل ہو گا اس نظام کے قیام کے لئے مسلسل اور

جدوجہد کی ضرورت ہے۔ باقی جو کچھ ہے محض فریبِ نفس ہے۔

مقبوضہ کشمیر کی داخلی خود مختاری---ایک اور فریب

مقبوضہ کشمیر کی ریاستی اسمبلی کی داخلی خود مختاری کی قرارداد' کشمیر کے 53 سالہ پرانے اصل مسئلہ کو نظرانداز کرنے کی' ایک اور پرفریب چال ہے۔ اصل مسئلہ (Real Issue) کشمیری عوام کا حق خود اختیاری ہے' کوئی سیاسی چال کوئی دجل و فریب اس حقیقت کو آج پوری دنیا سے چھپانے میں کامیاب نہیں ہو سکتا نہ ہی کشمیری عوام کی رائے کو تبدیل کر سکتا ہے۔ مذکورہ قرارداد ایک ایسی اسمبلی سے پاس ہوئی ہے جو کہ مقبوضہ کشمیر کے 5 فیصد غیر مسلم ووٹوں سے منتخب شدہ ہے۔ کیونکہ بین الاقوامی ذرائع ابلاغ کے مطابق علاقے کی 90 فیصد مسلم آبادی کو ووٹنگ کے عمل میں حصہ لینے سے جبراً" دور رکھا گیا تھا۔ اس نام نہاد اسمبلی میں مسٹر فاروق عبداللہ کی نیشنل کانفرنس دو تہائی اکثریت کی حامل ہے۔ اسی لئے اسے کوئی بھی قرارداد منظور کرانے میں کسی نوع کی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ قرارداد میں مقبوضہ کشمیر کی داخلی خود مختاری کا مطالبہ کیا گیا ہے جس کے مطابق دفاع' اقتصاد اور مواصلات کے شعبے نیو دہلی (مرکزی حکومت) کے پاس ہوں گے۔

مسٹر فاروق عبداللہ کے لئے یہ بات مایوس کن ہونی چاہیے کہ ایسی قرارداد بھی جو کہ بھارت کے حق میں جاتی ہے یعنی (Pro-India) ہے' بھارتیہ جنتا پارٹی کی سرکار کو قبول نہیں۔

درحقیقت فاروق عبداللہ کے داخلی خود مختاری منصوبے کی نامنظوری اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ بھارت کشمیر میں اپنے غاصبانہ قبضے میں ذرا سی کمی کو بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ حتیٰ کہ اس سلسلے میں وہ اپنے خود کاشتہ گماشتوں پر بھی اعتماد کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ مقبوضہ کشمیر میں سات لاکھ مضبوط سپاہ کی موجودگی اسی بات کی غماز ہے۔ اس قرارداد کو حریت کانفرنس اور حکومت پاکستان کے علاوہ OIC نے بھی تسلیم نہیں کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ کشمیر کا کوئی اندرونی حل نہیں ہے۔ کیونکہ کشمیر میں جو ظلم و بربریت اور تشدد روا رکھا جا رہا ہے اس کے نتیجے میں اب تک 50,000 ہزار سے زائد سویلین مارے جا چکے ہیں۔ اس کے بعد کشمیر کا مسئلہ محض بھارت کا اندرونی مسئلہ نہیں رہتا۔

کشمیر ایک عالمی مسئلہ ہے۔ یہ بھارت ہی تھا جو گذشتہ چالیس کے عشرے میں اسے اقوام متحدہ میں لے گیا تھا اور جب اقوام متحدہ میں یہ قرارداد پاس ہو گئی کہ مسئلہ کشمیر اہل کشمیر سے استصواب رائے کے ذریعہ حل کیا جائے تو وقتی طور پر اس وقت بھارت بھی متفق ہو گیا تھا۔

کشمیری عوام کو یہ یقین دہانی کئی بھارتی لیڈروں کی طرف سے جن میں جواہر لال نہرو اور ماؤنٹ بیٹن بھی شامل ہیں' کئی بار کرائی گئی کہ ان کو حق رائے دہی دیا جائے گا۔ مگر افسوس کہ وہ عہد آج تک شرمندۂ وفا نہیں ہو سکا۔

مقبوضہ کشمیر کی داخلی خود مختاری کا منصوبہ فراڈ ہی سمجھا جائے گا چاہے بھارتی حکومت اسے تسلیم کرے یا نہ کرے۔ کیونکہ مسئلہ کشمیر کا حل صرف اور صرف یہ ہے کہ کشمیری عوام کو یہ فیصلہ کرنے کا حق دیا جائے کہ آیا وہ پاکستان کے ساتھ الحاق کرتے ہیں یا بھارت کے ساتھ۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

فرقے کیسے مٹ سکتے ہیں؟؟؟

یہ وہ سوال ہے جو آج ہر متجسس نوجوان اور ہر محبّ پاکستان کے قلب و ذہن کو وقف اضطراب کئے ہوئے ہے۔ کیونکہ وہ اس نتیجے تک تو پہنچ چکے ہیں کہ پاکستان میں قرآنی معاشرہ کا قیام، جو کہ اس کی وجہ جواز تھی اور ہے، اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک کہ مسلمانوں میں فرقہ بندی ناپید نہیں ہو جاتی۔ لیکن فرقے ختم کیسے ہوں؟؟

اس سوال کا جواب ادارہ طلوع اسلام کے پاس ایک مدلل اور پر تاثیر مقالہ کی شکل میں موجود ہے جو مفکر قرآن علامہ پرویز علیہ الرحمتہ کے رشحات قلم کا نتیجہ ہے۔ ادارہ طلوع اسلام اس مقالہ کی وسیع پیمانے پر اشاعت چاہتا ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگوں تک یہ مقالہ ایک خوبصورت پمفلٹ کی شکل میں بلا قیمت پہنچا کر، مملکت خداداد پاکستان میں قرآنی معاشرہ کے قیام کی راہ ہموار کی جا سکے۔ وابستگان دامن قرآنی سے استدعا ہے کہ وہ اس پراجیکٹ کی تکمیل کے لئے حتی المقدور معاونت فرمائیں۔ عطیات درج ذیل اکاؤنٹ میں جمع کرائے جا سکتے ہیں۔

اکاؤنٹ نمبر 7-3082، نیشنل بنک آف پاکستان، گلبرگ 2، مین مارکیٹ، لاہور

چیئرمین، ادارہ طلوع اسلام رجسٹرڈ، لاہور

سورۃ النحل

(درس اول.......... آیات 1 تا 19)

(جملہ حقوق محفوظ)

1975ء میں مرحوم پرویز صاحب کی تفسیر مطالب الفرقان کی تالیف کا آغاز اس وقت ہوا جب ان کا رہرو عمر بہتر (72) سے بھی زیادہ منازل طے کر چکا تھا' اس وقت' وہ قریب پچیس سال سے ہفتہ واری درس قرآن کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے تھے۔ چونکہ ان کے درس میں ہر بات بڑی تفصیل سے سامنے آجاتی تھی اس لئے ان کے احباب کا تقاضا تھا کہ ان درسوں کی بنیاد پر قرآن کریم کی تفسیر مرتب کی جائے' اس میں وہ بڑی دشواریاں دیکھتے تھے اگرچہ ان کے ایک رفیق عزیز' (ملک ظہور احمد' اب مرحوم) نے ان درسوں کو جو ٹیپ ریکارڈ میں محفوظ تھے صفحہ قرطاس پر منتقل کر دیا تھا۔ لیکن درس کا انداز چونکہ تصنیفی انداز سے مختلف ہوتا ہے اس لئے وہ ان درسوں کی تفصیلات کو از سر نو مربوط و مرتب شکل میں پیش کرنے کے اس سلسلہ دراز کو شروع کرنے کی ہمت نہ پاتے ہوئے بھی احباب کے شدید تقاضوں کی وجہ سے اپنے ایک دوسرے رفیق اخلاق احمد صاحب کو املا کراتے گئے اور تین ماہ کے قلیل عرصہ میں اس کی پہلی جلد کا مسودہ تیار ہو گیا جس میں سورۃ فاتحہ اور سورہ بقرہ کی ابتدائی 29 آیات کی تفسیر کو سمویا جا سکا۔ اس طرح پہلی جلد بڑے سائز کے قریب پونے چار سو صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ دوسری جلد 1976ء میں طبع ہوئی جو قریب 476 صفحات پر مشتمل ہے جس میں سورۃ بقرہ کی آیات 30 تا 112 تک کی تفسیر بیان کی گئی ہے' تیسری جلد سورۃ بقرہ کی آیات 113 تا 286 پر مشتمل ہے جس پر سورہ بقرہ اختتام پذیر ہوئی ہے اور ضخامت اس کی 548 صفحات ہے اس کے آخر میں تینوں جلدوں کے جامع انڈیکس کا اضافہ کیا گیا ہے۔

چوتھی جلد پوری سورۃ آل عمران' سورۃ نساء اور سورہ مائدہ کی تفسیر ہے۔ ضخامت اس کی 600 صفحات ہے اس جلد میں سابقہ تفصیلی اسلوب کو بتمام و کمال اختیار نہ کیا جا سکا۔ چنانچہ سورۃ نساء کی آیات 19 تا 24 کا نہ متن دیا گیا اور نہ ہی مفہوم و تفسیر۔ بلکہ ان آیات کے بارے میں تیسری جلد میں جو مختصر سا لکھا گیا اسے یہاں [illegible] کہ ان کے درسوں میں بیان کیا گیا تھا زیب قرطاس نہ کیا گیا' جبکہ سورہ نساء کی مذکورہ آیات [illegible] دو درسوں پر مشتمل ہیں۔ ان کے ڈیڑھ گھنٹہ کے درس میں کتنا مواد ہوتا ہے اس کا [illegible] ابتدائی 19 آیات کے درس سے لگا سکتے ہیں جو زیر نظر شمارہ میں [illegible]

گیا ہے۔ جلد پنجم سے جلد ہفتم تک سورۃ انعام سے سورہ حجر تک کی تفسیر دی گئی ہے لیکن ان میں بھی درسوں میں پیش کی جانے والی تفصیل مکمل طور پر نہیں دی جا سکی۔

اب سورۃ النحل سے دوبارہ انہی کے الفاظ میں ان کے ایک درس کو جو وہ تصریف آیات کے حوالہ سے دیا کرتے تھے پر بعینہ دیا جارہا ہے تاکہ احباب اس کی افادیت کے بارے میں اپنی اپنی رائے کا اظہار کر سکیں۔ اگر احباب نے اس سلسلہ کو پسند کیا تو ہمارا پروگرام یہ ہے کہ اس کام کو جاری رکھا جائے۔ خوانندگان کرام کی آراء کا شدت سے انتظار رہے گا۔

(ادارہ)

عزیزان من!

آج جنوری 1975ء کی 26 تاریخ ہے اور درس قرآن کریم کا آغاز سورۃ النحل کی پہلی آیت سے ہو رہا ہے۔

سابقہ سورۃ سے ربط

سابقہ سورۃ کی آخری آیات میں اس کشمکش کا ذکر نمایاں طور پہ آگیا تھا جو نبی اکرم ﷺ کے عہد میں قریباً آخری دور میں پہنچ چکی تھی اور اب نظر آتا تھا کہ تبلیغ و تذکیر یا انذار و تنذیر کے مرحلے جو تھے وہ گزر چکے تھے اور اب وہ آمنے سامنے کا ٹکراؤ ہونے والا تھا۔ عرصہ یہ خاصہ لمبا تھا زندگی کا۔ یعنی نبوت کا وہ زمانہ تھا 23 سال' اس میں 12 سال کا یہ عرصہ تھا۔ اس دوران میں ان لوگوں سے بار بار یہ کہا جاتا تھا کہ جس روش زندگی پر تم چل رہے ہو یہ جو تمہارا غلط نظام ہے اس کا نتیجہ تمہارے لئے تباہی اور بربادی ہوگا۔ لیکن ہر قوم کی طرح کہ جو کسی نہ کسی طرح سے مادی مفادات حاصل کر لیتی ہے تو پھر وہ دولت' اقتدار اور پیشوائیت کے اس نشے میں اتنی بدمست ہو جاتی ہے کہ وہ اس چیز کو برے میں نہیں لاتی کہ کبھی تباہی آسکتی ہے۔ جو ہمارا انداز ہے۔ اس انداز میں تو دیکھتے تھے کہ رات دن زیادہ سے زیادہ مفادات حاصل ہو رہے ہیں۔ طاقتیں بڑھ رہی ہیں۔ قوتوں میں وسعت آرہی ہے۔ ان کے خواب و خیال اور وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آتی تھی کہ اس کا نتیجہ تباہی بھی ہو سکتا ہے۔ اس لئے بھی جب ان سے یہ کہا جاتا ہے کہ اب تمہاری تباہی قریب تر آرہی ہے تو وہ ہمیشہ یہ کہتے کہ آرہی ہے تو پھر لاتے کیوں نہیں اس کو۔ اسمیں اتنا لمبا عرصہ کیوں پڑ رہا ہے۔ وہ اس کی جلدی مچاتے تھے۔ جبکہ کہا گیا ہے اور قرآن کریم نے بار بار کہا کہ یہ چیز۔ اعمال کے نتائج' Accumulated Effect جو ہے' اجتماعی طور پر جو سامنے آتے ہیں ن میں بھی ایک وقفہ ہوتا ہے۔ وہ جب ثقلت موازین کی کیفیت ہوتی ہے۔ کہ تخریبی اعمال زیادہ ہو جاتے ہیں اور وہ تعمیری اعمال پر ب آجاتے ہیں اس وقت وہ تباہی مخصوص شکل میں سامنے آتی ہے۔ اگرچہ غیر محسوس طور پر تو پہلے دن سے ہی اس کی بنیادی اینٹیں کھی جارہی ہوتی ہیں یہی جو قرآن نے کہا ہے خدا کے متعلق کہ وہ سریع الحساب ہے اس کے معنے یہ ہیں کہ انسان کے ہر عمل کا نتیجہ اس کے ساتھ ساتھ مرتب ہوتا چلا جاتا ہے لیکن یہ نتائج بہ ہیئت مجموعی اس وقت سامنے آتے ہیں جب وہ ایک محسوس شکل اختیار

تے ہیں اور اس سے پہلے جب وہ غیر محسوس طور پر ترتیب پار ہے ہوتے ہیں تو اگر جذبات سے ہٹ کے کوئی انسان دیکھے تو اس کو محسوس ہو جاتا ہے کہ اس کی غلط روش اسے تباہی کی طرف لے جارہی ہے۔ لیکن جن کی آنکھوں پہ پردے پڑ چکے ہوں' جن کے دماغ ماؤف ہو چکے ہوں اس نتیجے کی وجہ سے وہ اس آنیوالی تباہی کو نہیں دیکھ سکتے۔ اسی لئے قرآن نے کہا ہے کہ یہ تباہی پھر ایسے مقامات سے آتی ہے۔ من حیث لا یشعرون۔ جو ان کے شعور میں بھی نہیں ہوتا کہ تباہی یہاں سے یوں آجائیگی۔ سابقہ آیات میں اسی کشمکش کے آخری دور کا ذکر آیا۔ تو اگلی سورۃ میں بات فوراً وہاں سے شروع کی' قرآن تو ترتیب کے اعتبار سے مسلسل ایک نصاب کی کتاب ہے۔ یہ یونہی نہیں ہے کہ At-Random یوں کہہ دیا' یہاں یہ کہہ دیا وہاں وہ کہہ دیا۔ اس میں تو ایک بڑا گہرا ربط ہے معنوی اور ترتیب کے اعتبار سے بھی یہ کیفیت ہے کہ پچھلی آیات کے بعد فوراً ہی اگلی سورۃ کو جو شروع کیا ہے سورۃ النحل کو تو پہلی آیت یہ ہے۔ اَتٰٓی اَمْرُ اللّٰہِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْہُ۔

امر الٰہی کو کوئی طاقت روک نہیں سکتی

وہ جو امر الٰہی ہے وہ تو آرہا ہے آچکا ہے' کیوں جلدی مچاتے ہو اس کے لئے وہ کونسا عید کا چاند ہے تمہارے لئے کہ جس کے لئے تم چاہتے ہو کہ 29 کا ہی نظر آجائے۔ 30 تک بھی انتظار دوبھر ہو رہا ہے تمہاری تباہی اور بربادی کا وقت آنے والا ہے اور تم جلدی مچا رہے ہو۔ وہ تو اس لئے کہ قرآن نے پچھلی دفعہ کہا تھا کہ وہ اس کی تکذیب کرتے ہیں اس کا استہزا کرتے ہیں' مذاق اڑاتے ہیں اس کا۔ اس لئے اس مذاق اڑانے میں وہ یہ کہتے تھے کہ جو کچھ تم کہتے ہو کہ ہونا ہے۔ کرتے کیوں نہیں ہو' لاتے کیوں نہیں ہو۔ ہوتے کیوں نہیں ہم تباہ۔ کہا کہ یہ جلدی کس بات کی مچا رہے ہو تم۔ بڑی کوئی خوش کن خبر ہے؟ کامیابیوں اور مسرتوں کی خبر ہے۔ جس کے لئے کہہ رہے ہو وہ جلدی کیوں نہیں Result out ہوتا؟ امر الٰہی آچکا ہے۔ جلدی مچا رہے ہو۔ باقی رہا یہ تمہارا کہنا کہ ہمارے پاس ایسی قوتیں ہیں' ایسی قوتوں کے لوگ ہیں کہ جو روک لینگے اس چیز کو جو تم کہتے ہو تو کہا۔ سُبْحَانَہٗ وَ تَعَالٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ یہ جو یہاں کہا جارہا ہے کہ خدا کے قوانین ایسے ہیں کہ جن کی رو سے یہ سب کچھ ہوتا ہے ان کے مقابلے میں کوئی طاقت ایسی نہیں ہے کہ جو ان کے نتائج کو روک سکے اور تمہارے وہم میں جو یہ چیز ہے کہ نہیں' یہ یوں رک جائینگے اور فلاں طاقت روک دیگی۔ ہمارے فلاں لیڈر روک دینگے' رہنما روک لینگے۔ یا آگے بڑھ کے توہم پرستی میں کہ ہمارے یہ معبود جو ہیں' یہ روک دینگے ان چیزوں کو' کہا کہ خدا تو اس سے بہت بلند ہے کہ اس قسم کی قوتیں جو ہیں اس کے قوانین کے نتائج کے راستے میں روک بن جائیں۔ یہ ہو نہیں سکتا۔ جو کچھ یہ رسول ﷺ تم سے کہہ رہا ہے یہ اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا۔ یُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِکَۃَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِہٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖٓ اَنْ اَنْذِرُوْٓا۔ خدا کی طرف سے یہ چیز آتی ہے بڑے صاحبان قوت ہیں' ملائکہ کا لفظ ہی یہ ہے۔ بڑی قوتوں کے مالک۔ خدا کے پیغامات کے حامل اس کی اسکیموں کو بروئے کار لانے کی غیر محسوس قوتیں۔ کہتا ہے یہ وہ ہیں جو خدا کا امر' خدا کی روح لیکر اترتے ہیں۔ بالروح من امرہ اور یہ علیٰ من یشآء من عبادہ۔ جسے وہ اس مقصد کے لئے منتخب کر لیتا ہے اپنے قانون مشیئت کی رو سے۔ یہ اس کی

طرف پیغامات آتے ہیں خدا کی طرف سے - من جانب اللہ ہوتا ہے یہ اپنی طرف سے نہیں کہتا - کہ ہو سکتا ہے کہ درست نکل آئے' ہو سکتا ہے کہ غلط بھی ہو جائے - یہ تو اس خدا کی طرف سے ہے' وہ پیغام کیا ہوتے ہیں - اَنْ اَنْذِرُوا تاکہ وہ آگاہ کر دے تمہیں اس بات سے - لا الہ الا انا فاتقون یہ بات کہنے کے لئے وہ پیغام رساں ان کے اوپر وہ خدا کا پیغام لاتے ہیں کہ ان سے کہہ دو آگاہ کر دو - Warning دے دو ان کو کہ کائنات میں اقتدار خدا کے سوا کسی اور کا نہیں ہے - قرآن کا عربی زبان میں آپ دیکھئے تو انداز عجیب ہوتا ہے - جہاں کہیں غلبہ استیلاء اور قوت اور اقتدار کی بات ہوتی ہے وہاں "ہم" کا لفظ آتا ہے الا انا - ہمارے سوا کسی اور کا اقتدار نہیں ہے - جہاں رحمت و رافت کی بات ہوتی ہے وہاں انّی ہوتا ہے عام طور پہ - میں نے یہ کہا قل لعبادی میرے بندوں سے یہ کہہ دو اور یہاں کہا ہے کہ وہ یہ Warning دینے کے لئے پیغام آتا ہے کہ لا الہ الا انا - ہمارے سوا کوئی اور صاحب اقتدار اس کائنات کے اندر نہیں ہے - فاتقون - لہٰذا ان قوانین کی نگہداشت کرو اور اپنی غلط روش کے نتائج سے اپنے آپ کو بچاؤ - یہ ذہن میں زعم باطل نہ آنے دو کہ یہ قوتیں اور ہمارے معبود اور ہمارے لیڈر ہمارے پیشوا ہماری دولت ہمارا سرمایہ ہمارے حمایتی ہمارے مددگار ان قوانین کے سامنے روک بن کے بیٹھ جائینگے اور ہمیں بچالیں گے - مت اس زعم کے اندر آؤ - اس سے بچاؤ کی شکل پیدا کرو - دو تین لفظ یہاں وضاحت طلب آ گئے -

روح کا مفہوم

ینزل الملٰئکۃ بالروح من امرہ اور روح کے متعلق ہمارے ہاں آج تک (یہی کہا جاتا ہے) کہ وہ جو روح ہوتی ہے آدمی کی وہ نکل جاتی ہے مرنے کے ساتھ' پھر روح کہاں بھٹکتی پھرتی ہے - تو گویا روح کا لفظ تو ہمارے ہاں عام ہے نا' اس کے لئے یہ جو تصور ہے روح کا قرآن میں اس کے لئے روح کا لفظ نہیں آیا - انسان کی روح کا ذکر ہی کہیں نہیں ہے قرآن میں - روح تو ایک توانائی کو کہتے ہیں' اصل میں یہ پرانا یونانی تصور تھا - جنہوں نے مادہ یا Matter کے مقابلے میں کہیں تو انہوں نے Spirit کا لفظ ایجاد کیا اور انسان کے لئے Soul کا لفظ ان کے ہاں چلا آتا تھا - یہ Soul ہے جس کو روح کہا جاتا ہے اور پھر یونانی ترجمے جب ہوئے ہیں ہمارے ہاں فلسفہ میں عباسیوں کے دور میں تو ان کی ان اصطلاحات کا ترجمہ عربی زبان میں ہوا تو وہاں اس کا ترجمہ روح کر دیا انہوں نے' وہاں سے یہ بات چلی آئی - قرآن کریم کے بلند علمی مقام کا اندازہ ان چیزوں سے آپ لگا سکتے ہیں کہ چودہ سو سال پیشتر جب کہ اگر کوئی تصور تھا انسان کی طبیعی زندگی کے علاوہ تو روح کا ہی تصور تھا - یونانی تصور' اس دور کے اندر تو دوسرا تصور ہی نہیں تھا -

قرآن میں انسان کے لئے روح کے بجائے نفس کا لفظ آیا ہے

قرآن تو روح کا لفظ انسان کے لئے استعمال ہی نہیں کرتا - کہیں استعمال نہیں کیا اس نے - وہ اس زمانے میں اس کے لئے نفس کا لفظ استعمال کرتا ہے جس کے معنی انسانی ذات کے ہوتے ہیں اور زمانے کو بھی چودہ سو سال' تیرہ سو سال' کم از کم ایک ہزار سال کا تعلق کرنا تھا جب اس دور میں پہنچ کر بھی یہ لفظ جو ہے Self کا لفظ یہ اس دور میں آیا - یہاں جو Soul اور Spirit ہے آپ دیکھیں گے

الگ ہٹ گئی بات- انہوں نے بھی یہ محسوس کیا- علمی انکشافات کی بنا پر یہ محسوس کیا کہ یہ ایک اور شے ہے جسے انہوں نے Self کہہ کے پکارا- اور آج کے دور کا جو آپ کے ہاں علم النفس جسے کہا جاتا ہے انہوں نے بھی Spirit کا لفظ لیا نہ Soul کا لفظ لیا- حتیٰ کہ Mind بھی وہ پیچھے چھوڑ گئے- انہوں نے Psychy کا لفظ ایک تراشا اور یہ وہ ہے جسے قرآن نے چودہ سو سال پیشتر نفس کہہ کے پکارا تھا- روح کا استعمال نہیں کیا تھا حالانکہ عام مروج تھا یہ لفظ اور ہمارے ہاں تو یہ آج تک مروج ہے اور اس لئے بھی ہے کہ یہاں سے پھر روحانیت کا ایک تصور آتا ہے اور آپ کے ہاں قرآن میں نہ روح انسانی کا لفظ ہے نہ روحانیت کا کوئی ذکر ہے وہاں-

روح کا لفظ وحی کیلئے

روح کا لفظ وحی کے لئے استعمال ہوتا ہے- وہ جو مشہور آیت ہمارے ہاں quote کر دی جاتی ہے- یسئلونك عن الروح قل الروح من امر ربی وما اوتیتم من العلم الا قلیلا (17/85) کہ تجھ سے روح کی بابت دریافت کرتے ہیں ان سے کہو روح من امر ربی- خدا کے امر سے ہے- تمہیں (انسان کو) بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے اور یہاں سے پھر وہ بات آجاتی ہے کہ ہاں صاحب روح کا دیکھئے ذکر آگیا ہے اور روح کی بات سمجھ میں کسی کے آنہیں سکتی- کیونکہ انسان کو تو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے- جو تھوڑا علم دیا گیا ہے تو اس کے بعد روح کا تذکرہ کیا- یہاں بھی روح کے معنی یہ انسانی روح والی بات نہیں ہے- میں عرض کرونگا- تفصیل سے میں نے لکھا ہے اپنی لغات میں بھی اور وہ اس لئے کہ اس کے ساتھ ہی آیت جو ہے- مگر ہمارے ہاں تو ہو یہ رہا ہے کہ لا تقربوا الصلوۃ پڑھتے ہیں اور و انتم سکاریٰ جو ہے وہ ساتھ آتا ہی نہیں ہے- بس اتنا سا ٹکڑا کہیں سے لیا اور پھر لے بھاگے اس کو کہ دیکھئے صاحب- یسئلونك عن الروح قرآن نے کہا ہے- اور کہا کہ یہ پوچھتے ہیں ان سے کہہ دو کہ تمہیں بہت ہی تھوڑا علم دیا گیا ہے- الروح من امر ربی کے بعد اگلی آیت ہے- ولئن شئنا لنذھبن بالذی اوحینا الیك- کہ یہ وحی تیرے فکر کی پیدا کردہ چیز نہیں ہے- یہ تو ہماری مشیئت' ہمارے امر کی چیز ہے- ہم چاہیں تو یہ سارے کا سارا علم لے جائیں- آگے بات ہی نہ چلے تمہاری' یعنی وحی کا لفظ اگلی آیت کے اندر پڑا ہوا ہے- لیکن سند یہاں سے لائی جاتی ہے روح کی' انسانی روح کے لئے- میں نے عرض کیا ہے اس کے معنی وحی خداوندی ہیں اور وہ اس لئے ہے کہ اسمیں بڑی قوت ہوتی ہے' وحی کے ذریعے جو قانون دیا- قانون کی بڑی قوت ہوتی ہے بشرطیکہ پیچھے ایک قانون کو نافذ کرنیوالی قوت ہو- پھر اگلا لفظ اس میں آتا ہے-

خلق اور امر

اس کے متعلق بھی اس سے پیشتر کئی دفعہ ذکر آچکا ہے- پھر اسے دہرا دوں- یہ ایک ہمارے دور کا مغرب کا فلاسفر ہے بڑا Pringle Pattisen؟ اس نے یہ کہا ہے کہ انگریزی زبان اگرچہ بڑی Developed ہے لیکن ہماری بدقسمتی ہے کہ اس Creation کے لئے' تخلیق کے لئے' پیدائش کے لئے ایک ہی لفظ ہے- Creation لیکن عربی زبان بڑی خوش بخت ہے کہ اس کے ہاں دو لفظ ہیں- "امر" ہے اور "خلق" ہے- اس نے کہا کہ ہر تخلیق اس وقت ہوتی ہے کسی شے کی' جب

وہ محسوس طور پر ہمارے سامنے آجاتی ہے اور اس محسوس دور سے پہلے ایک دور ہوتا ہے جب وہ عالم تخیل میں ہوتی ہے- پلاننگ اس کی ہوتی ہے' اسکیم ہوتی ہے' سوچ کی بات ہوتی ہے' محسوس شکل میں وہ سامنے ابھی نہیں آئی ہوتی' اس نے کہا' عربی زبان نے اور جس سے قرآن نے انتخاب کیا- یہ جو پہلا مرحلہ ہے- خدا کی تخلیق اس وقت تخلیق یا مخلوق کہلاتی ہے جب وہ ہمارے سامنے محسوس شکل میں آ جاتی ہے اور اس سے پہلے کا جو مرحلہ ہوتا ہے جس میں ابھی وہ مشیئت خداوندی- ارادہ الٰہی' سکیم کے مطابق' پلان کے تابع نقشہ بنتا ہوا جسے ہم کہتے ہیں- عام ہمارے الفاظ میں تصور یا تخیل میں کوئی چیز ابھی ہوتی ہے- یہ جو ایک مرحلہ ہے جو ہمارے سامنے محسوس شکل میں نہیں آتا- قرآن نے اسے عالم امر کہا ہے-

امر کے معنی حکم کے نہیں ہیں

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے شاید میں نے پچھلے درس میں ہی کہا کہ امر کے معنی حکم کے نہیں ہیں- یہ بعد کی بات ہے امر جسے کہتے ہیں وہ ہمارے ہاں- اب تو وہ امیر- مفلس کے مقابلے میں آگیا نا- بڑا امیر ہے پھر امیر کبیر ہے اور اگر یہ نہ بھی ہو تو ہمارے امیر جماعت جسے کہتے ہیں وہ بھی اس کے لیڈر کو کہتے ہیں- اس کو حکم دینے والا- عربی زبان میں اس کے معنی بڑے عجیب ہیں- اس کے معنی ہیں Direction دینے والا- یہ افرق ہے حکم دینے میں اور Direction بتانے میں- راستہ بتانے میں- میں نے کہا تھا ان کے ہاں صحراؤں میں راستے ہوتے نہیں تھے- وہ چھوٹے چھوٹے پتھر راستے کے نشان کے طور پر رکھ دیتے تھے- نشانات راہ وہ بنتے تھے یہ امور کہلاتے تھے- ان کے ہاں- راستے کی نشاندہی کرنا- حضرت عمر فاروقؓ نے اس لقب کو پسند کیا تھا اور اس لئے کیا تھا کہ میں سمجھتا ہوں کہ قرآن کی رو سے جو نظام مملکت بنتا ہے' اس میں سربراہ مملکت کی حیثیت ایک نشان دہی کرنے والے کی ہونی چاہئے کہ جو امت کے لئے نشان راہ جو ہے اس کو متعین کرتا چلا جائے- اس کیلئے امیر المومنین بہت ٹھیک ہے- تو یہ تو عربی کے صحیح قاعدے کی رو سے تھی- انہوں نے انتخاب کیا- سامنے والوں نے فوراً پسند کیا- سمجھ لیا کہ امیر کے معنی کیا ہیں اس کے بعد جس طرح سے وہ مملکت بگڑی وہ سلطنت گئی- وہ انتظام بدل گیا- دین مذہب میں تبدیل ہوا- امیر کے بھی معنی مختلف ہوتے چلے گئے- یہ امر کے معنی Direction کے ہیں- کیسا صحیح ہے یہ لفظ- کہ وہ مرحلہ تخلیق کا کہ جس میں ابھی نشاندہی کی جارہی ہو کسی شے کی- اس کی Direction متعین کی جارہی ہو- وہ جو ایک مرحلہ تخلیق کے پہلے کا جو ہے- قرآن اسے امر کہتا ہے اور جب وہ محسوس شکل میں آتی ہے وہ عالم خلق ہوتی ہے- قل الروح من امر ربی اس کا تعلق تمہارے عالم خلق سے نہیں ہے- انسان کی فکر کی بھی پیداکردہ کوئی چیز ہوگی تو وہ تخلیق کے مرحلے میں آجائیگی- اور وحی تو فکر انسانی کی بھی مخلوق نہیں ہے تو کہا اس کا سر تا سر تعلق اسی امر سے ہے جو محسوس مخلوق شکل میں تمہارے سامنے نہیں آتا- وہاں سے یہ Directions ملتی ہیں تمہارے لئے نبی ﷺ کی وساطت سے- من امرہ علی من یشآء من عبادہ اور اس کے لئے طریق یہ ہے کہ وہ ہر فرد کے اندر نہیں رکھ دی جاتی اور جانداروں اور مویشیوں کی طرح' حیوانات کی طرح جبلت یا Instinct نہیں ہوتی یہ چیز- بلکہ وہ اپنے بندوں میں سے جسے اس منصب جلیلہ کے لئے منتخب کرلیتا ہے اس کی طرف یہ وحی

[illegible] ہے جس کا تعلق عالم امر سے ہے وحی یہ تھی- ان انذروا انه لا اله الا انا فاتقون- ہم یہ اس کو وحی بھیجتے تھے کہ انہیں آگاہ کر دے- Warning دے دے انذار کر دیجئے کہ ہمارے سوا کائنات میں کسی کا اقتدار نہیں ہے- اس لئے تم جو اپنے ذہن میں یہ وہم لئے بیٹھے ہو کہ بچا لیں گے ہمیں وہ تمام ہماری بڑی بڑی ہستیاں اور شخصیتیں' لیڈر اور معبودان باطل' سب غلط- کہا تم یہ اتنا سا گوشہ انسانی تخلیق کا اس کے اندر یہ سمجھتے ہو کہ خدا کے قوانین کے سامنے روک بن کے کھڑے ہو جانے والی کوئی قوتیں ہیں جی- تم جانتے نہیں ہو کہ خدا کی کائنات کتنی بڑی ہے-

تخلیق کائنات کا مقصد

خلق السموٰت والارض بالحق- یہ تو سلسلہ کائنات خدا کی طرف سے حق کی بنیاد پر تخلیق کیا گیا ہے- میں نے پچھلے درس میں غالباً بتا دیا تھا کہ قرآن کریم نے بتایا یہ ہے کہ یہ ساری کائنات سرگرم عمل ہے اس لئے کہ کسی انسان کا کوئی کام بلا نتیجہ نہ رہنے پائے- ابھی انسانی علم یہاں تک نہیں پہنچا کہ وہ یہ دیکھ سکے کہ یہ کائناتی قوتیں جو سرگرم عمل ہیں وہ ہمارے اعمال کو نتیجہ خیز کرنے کے لئے کیا کام کر رہی ہیں- ابھی یہاں تک نہیں پہنچا- لیکن قرآن نے یہ کہا ہے کہ تم ابھی نہیں سمجھتے ہو یہ چیز کہ میں نے کسی سے دغا کیا' فریب کیا' جھوٹ بولا' اپنی ذات کے ساتھ وہ کچھ کیا کہ جس کو کوئی نہیں جانتا یہاں پہ تم کسی کی گرفت میں نہیں آتے کسی کو علم تک نہیں اسکا- تم مطمئن ہو کہ میں اس کے نتیجے سے محفوظ ہوں' مامون ہوں' مصئون ہوں- یعنی اس کا کوئی نتیجہ یا سزا آپ کو نہیں بھگتنی پڑ رہی- قرآن نے کہا ہے کہ تمہیں معلوم نہیں ہے کہ کائنات کی پوری قوتیں اس لئے سرگرم عمل ہیں کہ تمہارے دل میں گذرنے والے خیالات کے بھی نتائج برآمد کریں- تو میں نے کہا ہے کہ بھئی ہمیں معلوم نہیں کہ یہ جو قوانین ہیں انسان کی ذاتی زندگی یا تمدنی زندگی کے اندر ان کے نتائج کس طرح سے کائناتی قوتیں بروئے کار لاتی ہیں- یا اس میں ممدومعاون ہوتی ہیں- ابھی ہمیں اس کا علم نہیں ہے- تو میں نے گزارش یہ کیا تھا کہ قرآن نے یہ بتایا ہے- ایک مقصد اس تخلیق کائنات کا یہ بھی ہے- لتجزی كل نفس بما كسبت ہر فرد کے سامنے اس کے ہر عمل کا نتیجہ آ جائے- یہ کائنات کی تخلیق اس لئے کی گئی ہے بہر حال یہاں بھی وہ کہا ہے کہ تمہاری غلط روش-

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی

یہ کہنے کے بعد کہا- خلق السموٰت والارض بالحق- یہ یونہی کھیل تماشا نہیں ہے- جو ہم نے بنایا ہے کائنات کو-

ہندو دھرم میں تصور خدا

ہندو دھرم کے تصور سے' یہ ایشور کی رچائی ہوئی لیلا نہیں ہے وہ یہ کہتے تھے نا کہ تھیٹر کا کھیل ہو رہا ہے- اسی لئے خدا کے لئے ان کے ہاں ایک لفظ ہے نٹ راجن- نٹوں کا راجہ- نٹ ایکٹر کو کہتے ہیں- یہ ان کا خدا کا تصور وہ اس کی لیلا جو کہا' تو اب پھر اس میں نٹ آئے اور پھر نٹوں کا ایک چیف ہونا چاہئے- آج یہی ترجمہ ہو گا نٹ راجن کا- ان کو تصور یہی آ سکتا تھا جو انہوں نے کہا کہ یہ تو خراب

ہے خدا کا- وہ سو رہا ہے- یہ ساری کائنات جو ہے خواب ہے ایشور کا- جب اس کی آنکھ کھل جائیگی تو یہ ختم ہو جائیگا- قرآن کہتا ہے- خلق السموات والارض بالحق- یہ تمام تصورات باطل ہیں- آپ کہیں گے کہ یہ ہندو دھرم اور ان کی توہم پرستیاں کیا- یہ بات علماو حکمائے یورپ' حکمائے دنیا یوں کہہ دیجئے- اولین آماجگاہ تو یونان تھی اور اس میں Plato کا نام تو آپ نے سنا ہوگا- آج تک وہ ان حکماء کا اولین باپ کی حیثیت سے مشہور چلا آرہا ہے اور اس کا فلسفہ مستولی ہے مشرق و مغرب پر- اس نے کائنات کے متعلق کیا کہا تھا- اس نے کہا تھا کہ یہ پرچھائیں ہیں- اصل میں تو عالم تمثیل' عالم مثال اوپر ہے- یہاں پہ جو کچھ تمہیں نظر آتا ہے- یہ فریب تخیل ہے-

ہستی کے مت فریب میں آجائیو اسد
عالم تمام حلقہ دام خیال ہے

یہ ہے وہ- Plato کا نظریہ- یہ سب تصوراتی دنیا ہے- حقیقت میں یہ کچھ نہیں..... قرآن کہتا ہے- خلق السموات والارض بالحق- یہ بالکل غلط ہے- It does exist and exist in reality یہ ایک حقیقت ہے یاد رکھو ہم یونہی باطل کی چیزیں' توہمات کی چیزیں نہیں پیدا کیا کرتے- اور بالحق اس لئے ہے کہ یہ ایک مقصد کے لئے پیدا کی گئی ہے- حق کے یہ بھی معنی ہوتے ہیں کہ فی الحقیقت Exist کرے کسی خاص مقصد کے لئے ہو اور اگلی چیز اس میں ہوتی ہے کہ مقصد تخریبی نہ ہو- مقصد تعمیری ہو- اسے حق کہا جاتا ہے- اپنے مقام پر اٹل' غیر متبدل- تعمیری نتائج پیدا کرنے والا- حقیقت ثابتہ کو الحق کہا جاتا ہے- لہذا جب یہ کارگاہ کائنات حق ہے اور اس کا مقصد یہ ہے تخلیق کا' تعالیٰ عما یشرکون- وہ بہت بلند ہے ان چیزوں سے کہ کہا جائے کہ اس کے ساتھ اور بھی صاحب اقتدار اس کے برابر کے ہیں- اس نے کہا ہے کہ کسی ایک مملکت میں دو برابر کے صاحب اقتدار ہوں تو وہاں فساد مچا رہتا ہے- برابر کے صاحب اقتدار کا ساتھ ہونا تو ایک طرف رہا صاحب اقتدار موجود ہیں' کچھ اور لوگ ہیں جو چاہتے یہ ہیں کہ اس کی جگہ اقتدار ہمیں حاصل ہو جائے- اس میں جو فساد برپا ہو رہا ہے- وہ ہمارے سامنے ہے- چہ جائیکہ دو برابر کے صاحب اقتدار آ جائیں پھر تو ملک بٹ کے رہتا ہے- قرآن نے یہی کہا ہے کہ اگر اس کائنات میں ایک سے زیادہ صاحب اقتدار ہوں اور ہر ایک کی کوشش یہ ہو کہ میرا حصہ مملکت کا الگ ہو وہ کہتا ہے- سوچو تو سہی اس میں تمہارا حشر پھر کیا ہوگا- اقتدارِ واحد ایک ہی صاحب اقتدار ساری کائنات کے اندر- یہ ہے قرآن نے جو توحید کا مقصد دیا- یہ چیز- میں نے کہا نا جہاں وہ شرک کہتا ہے اس کے معنے صرف بت پرستی نہیں ہے وہ تو اوثان بہت سے ہیں- کہا یہ مٹی اور پتھر کے بت تو حیثیت ہی کچھ نہیں رکھتے ان بتوں کے مقابلے میں' جن کی آماجگاہ ذہن انسانی ہوتی ہے- قلب انسانی ہوتا ہے-

می تراشد فکر ما ہر دم خداوند دگر
رست از یک بند تا افتاد در بند دگر

اس قید سے چھٹکارا ہی نہیں ہوتا- خلق السموات والارض-

نطرۂ آب سے پیدا ہونے والی مخلوق کی حالت

خلق الانسان من نطفۃ عجیب و غریب چیز آ رہی ہے- عزیزان من- ان آیات میں اس سورۃ کا نام ہی النحل ہے آگے آئیگا- شہد کی مکھی جسے کہتے ہیں- عجیب مقامات ہیں جن کو سامنے لا رہا ہے قرآن- کہا یہ کائنات ٹھیک ہے- اس طرف تمہاری نگاہ نہیں جاتی- اپنی تخلیق کی طرف ذرا نگاہ دوڑاؤ- اس کی ابتداء تو دیکھئے کہاں سے ہوئی- ایک جرثومہ زندگی- جس کی کوئی حیثیت ہی نہیں تھی- کبھی تمہارے تصور میں بھی یہ آسکتا تھا کہ اس جرثومہ کے اندر یہ چھپ پوشیدہ ہے جو اس طرح سے وجود پذیر ہو گیا- کوئی ذہن یہاں پہنچ سکتا تھا- یہ ممکنات کی دنیا جو ہماری ہے وہ عالم امر سے تعلق رکھنے والی دنیا- تم تو اتنا نہیں جان سکتے تھے کہ اس جرثومہ کے اندر کیا کیا پوشیدہ ہے- مضمرات- Potentialities کس طرح نشوونما پا کے یہ جیتا جاگتا بچہ اور پھر اتنا بڑا انسان- یہ کچھ بن جائیگا- کیا یہ بالحق تخلیق نہیں ہے- فاذا ھو خصیم مبین- کہا دیکھو اس کی حیثیت دیکھو تخلیق کی- ہمارے مقابلے میں کھڑا ہو جاتا ہے' پھر سامنے آجاتا ہے- خصیم ہے- جھگڑالو ہے اور مبین- پوچھو نہیں مبین- ہمارے قوانین کا مقابلہ کرنے کے لئے کھڑا ہو جاتا ہے- خلق السموات والارض- کہا تھا نا- تخلیق انسانی آئی- آگے آئی اس کے بعد کائنات میں پہلے جانداروں کی تخلیق-

مویشیوں کا افادی پہلو

والانعام خلقھا لکم اور یہ تمام مویشی جو ہیں انہیں لَکُمْ پھر دیکھئے قرآن میں آپ دیکھیں گے ساری ارض کے متعلق لَکُمْ ساری کائنات کے متعلق لَکُمْ- مویشیوں کا ذکر آیا ہے تو لَکُمْ- کھیتوں کا باغات کا ذکر آیا تھا تو لَکُمْ- لَکُمْ میں سارے انسان شامل ہیں- تم سب کے فائدے کے لئے- جونہی ان کے فائدے تم نے طبقات میں محدود کئے- لَکُمْ نہ رہے- قرآن تو ایک ایک لفظ کے اندر عزیزان من اپنی ساری اسکیم' اپنا سارا نظام دے جاتا ہے- والانعام خلقھا لکم فیھا دفء و منافع و منھا تاکلون- کہا ان کی ان سے تم اپنی گرمی کا سامان پیدا کرتے ہو- کھالوں سے خیمے بناتے ہو- گوشت ان کا کھاتے ہو اور کتنے فائدے ہیں جنہیں تم اٹھاتے ہو ان سے- دیکھا یہ تمام تمہارے لئے پیدا کئے- تمہارے لئے سامان نشوونما پیدا کیا- یہ At-Random سکیم آگئی؟ یہ ان بتوں کی بوئی سکیم آگئی' آگے لفظ آتا ہے- لیکن آگے جانے سے پہلے عزیزان من اگلی ایک آیت آتی ہے پوچھو نہیں کہ یہ حسن کی دنیا سمٹ ...س کے اندر آگئی- اور یہاں پہنچ کے نظر آتا ہے کہ واقعی یہ انسانی فکر نہیں چودہ سو سال پیشتر کی- خدا ہی یہ کچھ کہہ سکتا تھا یہ ...ی تھا جو سامنے لایا وہ Utilitarian Aspect جسے کہتے ہیں چیزوں کا' مویشیوں کا' کہ کھاتے ہو' پیتے ہو ان کی ان سے تم ...تے ہو- ان کی کھالوں سے خیمے بناتے ہو- ٹھیک ہے تمہاری نشوونما ہو گی- لیکن انسان صرف روٹی سے تو زندہ نہیں ...ندگی ہے کہ صرف طبیعی سامان چاہتی ہے- انسان کے اندر تو ایک اور جذبہ ایک اور خواہش ایک اور آرزو بھی ہے ...ہے سو وہ کونسی چیز ہے Aesthetic aspect اس کا- جذبہ تحسینِ حسن-

تحسین حسن و جمال کا پہلو

جمالیات کا جذبہ - یہ خالص انسانی زندگی سے شروع ہوتا ہے - حیوانی زندگی میں نہیں - اور انسانوں میں بھی جو بہرہ یاب نہیں ہے اس ذوق لطیف سے' اس کی زندگی حیوانی سطح کی زندگی ہوتی ہے عزیزان من - یہ جو ہے تحسین جمال - جمالیاتی پہلو کائنات کا' مذہب کی دنیا میں تصور بھی اس کا کیا جاسکتا ہے ؟ مذہب تو اس دنیا اور دنیا کی تمام زینت کی چیزوں کو قابل نفرت قرار دیتا ہے - مذہب کی تو انتہا یہ ہے کہ قطعاً اس کو ترک کر کے آگے چلے جاؤ - خواہ وہ عیسائیت کے **Saints** ہوں - ان کی آپ زندگیاں پڑھ کے دیکھئے - معرکہ آرا کارنامے کیا ہیں صاحب - فلاں سینٹ جو تھے ساری عمر کیچڑ میں انہوں نے بسر کر دی - سبحان اللہ - کیچڑ کے کیڑے تو سنے تھے یہ کیچڑ کے ولی ان کے ہی ہاں ملتے ہیں - یہ تھے جی ساری عمر انہوں نے ناخن نہیں ترشوائے - ٹھیک ہے - کوئی ریچھ' کوئی بندر' کوئی شیر' ناخن تو ترشواتا ہی نہیں - یعنی معرکے ان کے یہ ہیں کہ وہ جنگلوں میں رہتے تھے - غاروں میں رہتے تھے - کوئی ساری عمر کیچڑ میں رہتا تھا - یہ ساری عمر نہائے ہی نہیں ہیں صاحب - کیا معرکہ ہے جی - انہوں نے جی ناخن نہیں ترشوائے ساری عمر - انتہا ان کے ہاں کی - پھر آجائیے اپنے قریبی ہمسایہ کے ہاں - ان کے ہاں جوگ سے بھی آگے جو سنیاس کا مرحلہ ہوتا ہے - کیا مرحلہ ان کے ہاں ہوتا ہے ؟ ننگ دھڑنگ غاروں میں جا کے رہ رہے ہیں صاحب' ان کے ہاں نہانے دھونے کا تو سوال ہی نہیں ہے - کپڑوں تک بھی میسر نہیں ہیں جو پہنیں - راکھ ملی ہوئی ہے' بھبھوت جسم پر لٹیں بڑھی ہوئی ہیں - اچھے بھلے انسان بالکل وحشی جن بنے ہوئے ہیں - یہ انتہا ہے صاحب سنیاس کی - یہ خدا سے ملنے جا رہے ہیں - ان کو انسان پاس نہ پھٹکنے دے - دیکھنے کے مارے چلے جا رہے ہیں وہاں - مذہب کی دنیا کے اندر ترک مادہ میں پہلے ترک زینت جو ہے یہ بڑی معراج شمار کی جاتی ہے - عزیزان من - یہ مذہب کی دنیا کی چیز ہے اور دین' دین خداوندی' سوچئے تو سہی - بات تو اتنی آرہی تھی کہ تمہاری نشوونما کے لئے یہ مویشی پیدا کئے - ان سے تم کتنے فائدے اٹھاتے ہو - بات بالکل ٹھیک تھی آگے چلے جاتے - آگے بڑھ جانا چاہئے تھا - لیکن یہاں تک تو بات حیوانی سطح کی صرف رہتی - طبیعی زندگی کی رہتی' قرآن ہے عزیزان من - ولکم فیھا جمال - عزیزان من مذہب کی سطح پہ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا' اللہ اکبر' ہوش میں آلوں تو کہوں..... دو لفظ ہیں عزیزان من آگے' میرے الفاظ میں تو اتنی تاب نہیں کہ میں ان کی تشریح کروں - ان سے آپ دیکھئے قرآن میں ایک چیز ہے ایجاز جسے کہتے ہیں - **Brilliance** اور کمال ہوتا ہے بیان کا - جس میں اختصار اتنا ہو کہ وہ آنکھ کے تل میں آسمان سمایا ہوا نظر آجائے آپ کو - ایجاز اس کا اتنا ہو کہ اگر لفظوں کو بدل دیا جائے دوسرا کوئی لفظ دنیا کا اس کے وہ معنی پیدا کر کے نہ بتائے آپ کو -

دو لفظوں میں حسن فطرت کی منظر کشی

دو لفظ ہیں عزیزان من - مویشیوں کا ذکر آرہا ہے - جمالیاتی پہلو جو اس کا بتانا ہے قرآن نے دو لفظوں کے اندر بتایا ہے - دنیا کا بڑے سے بڑا پینٹر اس سے آگے نہیں جا سکتا - ہمارے ہاں تو یہ چیز ہے نہیں' ویسٹ **(West)** کے جو پینٹرز ہیں ان کی فطرت کی

سحر کشی جو ہے وہ ان کو زیادہ بھاتی ہے- ہمارے ہاں چونکہ یہ چیز ایران کے راستے سے آئی تھی وہ محسوس انسانی پیکروں تک ہی رہتے تھے- پھر مغلوں کے اندر آئے تو وہ پیکر بھی پیکر ہی بن گیا- یعنی عورت تک ہی سمٹ گئے وہ جو تھے ہمارے ہاں کے یہ پینٹرز- لیکن مناظر فطرت جو ہے- جہاں حسن صحیح معنوں میں اپنے جوبن پہ نظر آتا ہے انسان کو-

پھول ہیں صحرا میں یا پریاں قطار اندر قطار

صحرا کے پھولوں کو پریاں قطار اندر قطار کہنا وہ ایک اور دنیا ہے- آپ میں سے جن احباب نے یورپ کے ویسٹ کے بڑے بڑے مصوروں کی وہ تصویریں دیکھی ہوں جس میں کوئی انسانی پیکر نہیں نظر آتا- فطرت کی منظر کشی- اتنی جاذب اور حسین اور دلکش ہوتی ہے کہ انسان مبہوت کھڑا ہو جاتا ہے اس کے اندر' عام طور پر اس منظر کشی میں کیا چیز ہوتی ہے' صبح کا منظر ہوتا ہے' نور کا تڑکا' ٹمٹماتے ہوئے تارے' جیسے سامان سفر باندھ رہے ہوں یا سورج نکل رہا ہے- اس سے ڈر کے بھاگنے والے' مرمریں سی روشنی- شبنمی سی فضا- سکوت بالکل- سامنے ایک ندی رواں- دور پہاڑیاں نظر آ رہی ہیں- سبزہ شاداب تر و تازہ' چھوٹے چھوٹے سے یہاں وہ کچھ گاؤں کے سے مکان دو چار- ان میں سے مویشی نکل رہے ہیں- بھیڑیں عام طور پر وہاں یہ زیادہ ہوتی ہیں- یہ نکل کے چراگاہ کی طرف جا رہی ہیں- دیکھی ہے ایسی تصویر کبھی آپ نے حسن سمٹ کے آجاتا ہے اس قسم کے مناظر کے اندر- زندگی' تازگی' حرارت' حرکت' یہ اسمیں ہوتی ہے- صبح کے معنی ہی یہ ہوتے ہیں کہ خواب کی عارضی موت کے بعد پھر حیات تازہ اختیار کی جاتی ہے- دیکھیں پرندے کیسے چہچہاتے ہیں صبح کے وقت مویشیوں کو چھوڑ کر دیکھئے وہ چیزیں تو ہم نے نہیں دیکھیں- گاؤں کی زندگی تو ہم نے دیکھی ہے' میں تو وہاں گاؤں کا رہنے والا تھا- میں نے یہ منظر' صبح کا وقت- گاؤں میں سے جو باہر نکلتے ہیں بیلوں کو لیکر زمیندار- صبح کا تڑکا ہوتا ہے- سکوت ہوتا ہے ہر طرف لیکن فضا عجیب قسم کی اس وقت ہوتی ہے اور وہاں سے باہر مویشی جا رہے ہوتے ہیں- بظاہر دیکھئے تو اسمیں کوئی بات ایسی نہیں ہے- کہ جو آپ کو کھینچ لے' کھینچ لیتی ہے اور یہی مویشی جب شام کو لوٹتے ہیں عزیزان من شام کی اداسی' سورج ڈوب رہا ہوتا ہے- سکرات موت کی ہچکیاں ہیں- سرخیاں شفق پہ چھائی ہوئی ہوتی ہیں- گرد و غبار اڑا ہوا ہوتا ہے فضا کے اندر جو صبح بالکل نہیں تھا- وہاں سے شام کے دھندلکے کے اندر یہی مویشی جو ہیں بیل وغیرہ واپس آ رہے ہوتے ہیں- دور سے ان کی گھنٹیوں کی آواز سنائی دیتی ہے- عجیب قسم کا اداسی کا سا' یہ منظر ہوتا ہے- لیکن حسن تو شادابی میں بھی ہوتا ہے حسن تو اداسی میں بھی ہوتا ہے- اس کے الگ الگ Aspects ہیں- دونوں میں یہ چیز نظر آسکتی ہے انسان کو- اور یہ ہیں وہ مناظر جو آپ دیکھیں گے یورپ کے بلند ترین پینٹرز کے ہاں' میں نے دیکھی ہیں ان کی تصویریں ابھی وہ صبح کا منظر جو ہے یوں کچھ کر رہے ہونگے وہاں- کبھی وہ شام کا اس قسم کا منظر پیش کر رہے ہوں گے وہاں اور بہترین تصویریں ان کی کہی جا رہی ہیں عزیزان من- آپ کو معلوم ہے کہ قرآن کریم نے دو لفظ کہے ہیں- **ولکم فیها جمال حین تریحون و حین تسرحون**- جب صبح کی مرمریں فضا میں تم انہیں باہر لے جا رہے ہوتے ہو- جب شام کے دھندلکے میں تم انہیں واپس لا رہے ہوتے ہو- کہا کہ اے چشم حسن بیں دیکھو تو سہی اس میں جمال کتنا ہے- دو ہی لفظ [illegible] ن- حین تریحون و حین تسرحون- تخلیق کائنات- تخلیق انسان- مویشیوں کے اقتصادی پہلو- کیا کہنے [illegible]

تھا- کہ اس میں یہ بات بھی کہنے کی ہے کہ ولکم فیھا جمال حین تریحون و حین تسرحون- ہمارے ہاں کے شعراء نے بھی یہ کچھ منظر کشی کی ہے اس قسم کی- لیکن ان میں کچھ اور قسم کی کھٹک ہوتی ہے-

اقبال کی نظم 'مسجد قرطبہ' جمالیاتی اعتبار سے

اقبال کو فطرت نے یہ ایک انداز عطا کیا تھا کہ جہاں جہاں وہ منظر کشی کرتا ہے- اس میں حسن تو انتہا کا ہوتا ہے- شاعری انتہا کی ہوتی ہے- لیکن وہ تو ہر چیز بالحق کہتا تھا- سامنے ایک نصب العین بھی رہتا تھا' منظر کشی کے اس کے دو چار شعر سامنے آگئے میرے- وہ بال جبریل میں ذوق و شوق کے عنوان سے اس کی ایک نظم ہے- لکھی گئی ہے فلسطین میں' وہاں صحراؤں کے اندر انہوں نے' دیکھا کہ وہ بہت تہجد گزار صبح کے وقت اٹھنے والے ہوتے تھے- تو میں سمجھتا ہوں کہ وہاں کے منظر سے' مسحور ہو کے لکھی ہوگی- کیا تھی وہ-

قلب و نظر کی زندگی دشت میں صبح کا سماں

وہ قلب و نظر کی زندگی کہی گئی- دیکھا فرق آپ نے- شعریت دیکھئے تو وہ تو اپنے ایجاز پر پہنچی ہوئی ہے-

قلب و نظر کی زندگی دشت میں صبح کا سماں
چشمۂ آفتاب سے نور کی ندیاں رواں

قلب و نظر کی زندگی مسجد قرطبہ میں وہ نظم اللہ توفیق دے تو اسے پڑھیئے گا- معنویت اور شعریت کے اعتبار سے میرے نزدیک ان کی بہترین نظم ہے- پیغام کے اعتبار سے تو "ابلیس کی مجلس شوریٰ" کا جواب نہیں لیکن معنویت اور جمالیات کے اعتبار سے مسجد قرطبہ ہے- عجب وجد کے عالم میں اس شخص نے وہ نظم لکھی ہے- اس میں شام کا منظر وہ پیش کرتا ہے-

وادی کوہسار میں غرق شفق ہے سحاب
لعل بدخشاں کے ڈھیر چھوڑ گیا آفتاب

اور پھر بانگ درا میں جہاں وہ خضر راہ شروع کرتا ہے- تو خضر تو صحرا نورد- دشت پیا- سمندروں کا راہنما یہ ہے اس کا ایک تصور ہمارے ذہن میں- وہاں ایک شاعری ہے حقیقت میں افسانوی چیز' اس کا وجود نہیں ہے کوئی' لیکن بہر حال شاعر تو شاعر ہے تو وہاں خضر سے ان کی ملاقات ہوتی ہے- وہاں یہ پوچھتے ہیں کہ تیری زندگی ساری دشت نوردیوں میں کیوں گزر گئی اس طرح سے- جواب تو انہوں نے دینا تھا آگے جا کے دینگے اور پہلے وہ یہ بتاتے ہیں کہ میری دشت نوردی اور تمہاری شہر کی زندگی' کیا کہتے ہو؟

اے رہین خانہ تو نے وہ سماں دیکھا نہیں
گونجتی ہے جب فضائے دشت میں بانگ رحیل

(آہاھاھا) صحرا کی خاموش فضا میں دور جہاں تمہیں وہ اونٹ نظر نہیں آتے- لیکن ان کے گلے میں بندھی ہوئی گھنٹیوں کی

چلنے لگا ہے قافلہ- کبھی وہ بھی سنی ہے- اے رہین خانہ 'گھر کی چار دیواری کے اندر زندگی بسر کرنے والے تمہیں کبھی یہ کچھ دیکھنے کا بھی موقع ملا ہے......... گونجتی ہے جب فضائے دشت میں بانگ رحیل- آپ دیکھئے عزیزان من کیا منظر ہے-

ریت کے ٹیلے پہ وہ آہو کا بے پروا خرام 'کیا کوئی پینٹر پینٹ کرے-

ریت کے ٹیلے پہ وہ آہو کا بے پروا خرام
وہ خضر بے برگ و ساماں وہ سفر بے سنگ و میل

(آہاہا)- عربی قافلے کا تصور-

وہ نمود اختر سیماب پا ہنگام صبح

اختر سیماب پا کیا پوچھتے ہیں صاحب اس شخص کی آپ- کیا بات ہے اس شخص کی- وہ نمود اختر سیماب پا ہنگام صبح' میں نے کہا تھا کہ اس کی ان تشبیہات اور استعارات میں بھی ایک مقصد ہے- تشبیہات میں بھی دیکھئے کیا بات کہہ گیا ہے-

وہ نمود اختر سیماب پا ہنگام صبح
یا نمایاں بام گردوں سے جبین جبرئیل

(آہاہاہا)- یہ ہے ناجہاں اقبال کی انفرادیت آتی ہے- یہ جبین جبرئیل سے تشبیہہ دینا کسی اور کے بس کی بات نہیں تھی اور وہ سکوت شام صحرا میں غروب آفتاب اور سنئے عزیزان من-

وہ سکوت شام صحرا میں غروب آفتاب
جس سے روشن تر ہوئی چشم جہاں بین خلیل

بات شاعری کی نہیں ہے وہ تو اپنے نصب العین اور مقصد کو چھوڑتا ہی نہیں کہیں صاحب جس سے روشن تر ہوئی چشم جہاں بین خلیل- قرآن کی آیات کا ترجمہ ہے- جس سے روشن تر ہوئی چشم جہان بین خلیل- سنئے اور تشبیہہ ملاحظہ ہو

اور وہ پانی کے چشمے پر مقام کارواں
اھل ایماں جس طرح جنت میں گرد سلسبیل

اور ولکم فیھا جمال حین تریحون و حین تسرحون یہ منظر بھی دیکھا تو نے ولکم فیھا جمال- قرآن کا یہ پہلو عزیزان من یہ Aspect کبھی کبھی سامنے آتا ہے- لاریب- کسی انسانی فکر کی یہ چیز ہو نہیں سکتی- والانعام خلقھا لکم فیھا دفء و منافع و منھا تاکلون- یہ جو ایک دھڑکتا ہوا دل رکھا ہے' یہ جو چشم بینا عطا کی گئی ہے یہ ذوق حسن کی تحسین یہ جمالیات کا پہلو اس کا ہے' نظر انداز اس نے نہیں کیا- ولکم فیھا جمال حین تریحون و حین تسرحون- مویشیوں کا ذکر آیا ہے- اس میں جمالیاتی پہلو ساتھ پیدا کرتا ہے اور پھر وہی- و تحمل اثقالکم الی بلد- کہیں اس کو ہی دیکھ کر رہ جاتا کہ صبح کو شام کو کشتی کو ہی تم دیکھتے چلے جاؤ- یہ بھی تو ایک چیز ہوتی ہے ہمارے ہاں- آرٹ میں جب آتا ہے تو پھر آرٹ برائے آرٹ

اور ہے ہی نہیں۔

بیٹھے رہیں تصور جاناں کئے ہوئے ..... روٹی فیر تیرا پیو پکائیگا آ کے

پہلے کہا افادی پہلو۔ درمیان میں وہ Aspect لایا۔ پھر یہ کہ کہیں اسی میں ہی گم ہو کے نہ رہ جاؤ۔ افادی پہلو کے بعد جمالیاتی پہلو۔ جمالیاتی پہلو دینے کے بعد یہ کہا کہ پھر یہ وہی جوگی اور سنیاسی' یہ چیزیں' ادھر شاعری کے اندر آ کے نہ جذب ہو جاؤ۔ پھر و تحمل اثقالکم الی بلد لم تکونوا بلغیه الّا بشق الانفس کہا پھر ان میں سے وہ مویشی اور جانور بھی لو۔ جن پہ سواری بھی کرتے ہو۔ مال بھی لادتے ہو مسافتیں طے کرتے ہو۔ کہا اگر یہ نہ ہوتے کیا لفظ پھر وہ استعمال کر گیا ہے۔ کہتا ہے اگر یہ نہ ہوتے تو ایک تو یہ سفر کرنے پڑتے سارے پیدل تمہیں' اور سوچو کہ اگر ان کا بوجھ بھی تمہاری کمر پہ ہوتا تمہیں چلنا پڑتا یہ تیس چالیس میل کا سفر۔ کیا بیتتی حضور پہ؟

رءوف اور رحیم

ان ربکم لرء وف رحیم۔ رحیم تو عزیزان من سامان نشوونما کے لئے ہے آپ دیکھتے ہیں یہاں دو صفتیں کیا آئی ہیں یہ رحیم' اور رافت جو ہے وہ جمالیاتی پہلو کے لئے قرآن نے کہی ہے اور رافت تو ہوتی ہی نہایت نازک چیز ہے۔ یہ محبت سے بھی اگلا جذبہ ہوتا ہے رافت۔ رافت کے اندر لطافت ہوتی ہے۔ رحمت میں سامان نشوونما' یہاں دو صفتیں لایا قرآن۔ کیونکہ دو پہلو زندگی کے سامنے لایا ایک افادی پہلو تھا ایک جمالیاتی پہلو تھا۔ (ان ربکم لرء وف رحیم) والخیل والبغال والحمیر لترکبوھا زینة۔ گھوڑے' خچریں۔ گدھے۔ یہ لادو جانور سواری بھی تم کرتے ہو۔ یہ سواری کے جانور جو تھے آپ کے ہاں۔ گھوڑے کو آپ دیکھ لیجئے اس کی بجائے اگر یہ گینڈا ہوتا آپ کے ہاں سواری کا جانور سوچئے تو سہی کہا کہ ان جانوروں کو ذرا دیکھو۔ ان کی ہیئت کذائی سامنے رکھو۔ لترکبوھا وزینته۔ ہم نے بڑا خوش شکل بنایا ہوا ہے۔ زینت کا سامان بھی اس میں ہوتا ہے۔ یہاں بھی اس پہلو کو نہیں چھوڑا۔

ریشم اور سونا پہننا

آپ کے ہاں تو زینت کی ساری چیزیں حرام قرار پائی ہوئی ہیں۔ ہر شے جو زینت کی ہے وہ حرام ہے۔ ریشم پہننا حرام' سونا پہننا حرام۔ سب زینت اور آرائش کی چیزیں حرام۔ اور جنت جو بنا رہے ہیں کہ تمام اعمال حسنہ کا جو آپ کا منتہا ہے' آخرت میں جو سب کچھ ملے گا۔ وہاں صاحب سارے لباس جنت کے۔ وہ پردے اتنے اتنے بڑے وہاں لٹکائے ہوئے ہونگے۔ اس میں وہ قرآن کہتا ہے خالص ریشم کے۔ صوفے وہاں دئے ہوئے۔ حِلیه' موتی یہ سارے زیورات برتن چاندی سونے کے۔ بلوری کنٹر۔ یہ قرآن کریم میں لکھا ہوا ہے۔ یہ جنت جو مآل ہے اس کا' وہ تو وہاں مومنین کے لئے خاص طور پر ان کو خدا کی طرف سے یہ' اور ان میں سے اگر کوئی چھوٹا بہت حصہ آپ یہاں پہن لیں تو حرام۔ زینت کی چیزیں حرام۔

اللہ کی پیدا کردہ چیزوں کو حرام قرار دینا

سورہ اعراف-(7/32) زینت کی چیزوں کا ذکر کرنے کے بعد اس میں آیا ہے-قل من حرم زینة اللّٰہ التی اخرج لعبادہ و الطیبت من الرزق-ان سے کہو' پوچھو ان سے کہ کون ہے وہ جو خدا کی پیدا کردہ زینت کی چیزوں کو حرام قرار دیتا ہے صاحب-قرآن چیلنج کر رہا ہے-قل من حرم زینة اللّٰہ پوچھو-کس میں یہ جرات ہے کہ جو چیزیں ہم نے زینت کے لئے پیدا کی ہیں انہیں یہ حرام قرار دیں-ہمارے ہاں کے یہ پیشوا جو ہیں' کہتے ہیں ہم قرار دیتے ہیں-تو کرلے کی کرنا ای-وہ کہتا ہے-من حرم زینة اللّٰہ-اللہ اکبر' کیا انداز ہے-قل ھی للذین آمنوا فی الحیوۃ الدنیا خالصة یوم القیمة-اس دنیا کی زندگی کے اندر تو ٹھیک ہے سب کو میسر آئینگی' مومن کو بھی میسر آئینگی-کافر کو بھی میسر آسکتی ہیں-طبیعی زندگی ہے-یہ محنت سے حاصل کرنا چاہیں یہ حاصل کر سکتے ہیں اور یہ یہاں سب کو ملے گی-جنت میں تو صرف خالصتاً مومنین کو ملیگی کہ جو اس قسم کی چیزیں ہیں-کہا کون ہے ماں کا لال جو ان کو حرام قرار دیدے-(آہاھاھا) وزینتہ کہتا ہے یہ چیزیں و یخلق ما لا تعلمون اس کی تخلیق میں سے تو یہ چیزیں اب تمہارے سامنے آگئی ہیں-تمہیں کیا معلوم ہے کہ-

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں

کیا کیا کچھ وہ پیدا کئے جارہے ہیں جو اسنے پیدا کردیا ہوا ہے-یزید فی الخلق ما یشاء-وہ اپنے قانون مشیئت کے مطابق اضافہ کئے چلا جارہا ہے اپنی تخلیق کے اندر-ان سے پوچھو کہ یہ کارگہ کائنات جس کو ہم نے اس طرح سے بنایا ہے یہ سب باطل ہی باطل ہے-یہ جو کہتے ہیں-کہا یہ اشیائے کائنات یہ مویشی یہ پرندے یہ جن کا ذکر ہم نے کیا ہے-اول خصوصیت اس میں بھی آپ دیکھیں گے کہ جس کو جس مقصد کے لئے پیدا کیا ہے-جس انداز سے' جس فطرت پہ پیدا کیا ہے وہ اس کے اوپر چلے جارہا ہے-کسی میں یہ مجال نہیں ہے کہ اس میں ذرا بھی ادھر ادھر ہٹ جائے-

قصد السبیل

و علیٰ اللّٰہ قصد السبیل و منھا جائر-کہا یہ جو ہے-صحیح راستہ-راستے کی میانہ روی-قصد کہتے ہیں درمیان میں سڑک کے چلنا-صحیح چلنے کا یہی انداز ہوتا ہے' کہ ان کے اندر خدا نے جبلت ان کی یہ پیدا کردی ہوئی ہے ان کے اندر یہ چیز رکھ دی گئی ہے کہ وہ صحیح راستے پر درمیانی راستے کے اندر چلتے چلے جائیں-وہ ادھر ادھر نہیں ہٹتے-ان میں مجال سرکشی ہی نہیں ہے-ان کو اختیار ہی نہیں دیا گیا-انسان کو' و منھا جائر-ٹھیک ہے-غلط راستے پہ ہیں-یہ غلط راستے پہ کون چلنے والا ہے-کہنے لگے یہ حضرت انسان کو دیکھئے-یہ باقی مویشیوں حیوانات سے اشرف بنتا ہے-کیفیت یہ ہے کہ وہ تو ہمیشہ قصد السبیل رکھتے ہیں راستے کے درمیان پہ چلتے جاتے ہیں-تاکہ خطرہ نہ کوئی اب رہے' اس کی کیفیت یہ ہے کہ قصد السبیل سامنے ہے کوئی ادھر نکل گیا کوئی ادھر نکل گیا-کوئی ادھر جارہا ہے کوئی ادھر جارہا ہے-کہتا ہے کیفیت ان کی یہ ہے-سوال تم یہ پیدا کر دو گے کہ صاحب یہ سارے انسان کیوں نہ نیک

ہوئے-عام طور پر یہ کہا جاتا ہے-کہنے لگا کہ پھر نیک تو یہ ہوئے نا کہ بکری کسی کا گوشت نہیں کھاتی-خون نہیں کسی کا پیتی دانت نہیں مارتی-بڑی نیک ہے نا-بنا چاہتے ہو ایسا-کیا خیال ہے جناب کا-بنا دیں-بکری بنا چاہتے ہو بے اختیار حیوان-بنا چاہتے ہو پتھر بے اختیار-کہتا ہے یہ جو اعتراض کرنے والے ہیں کہ صاحب پھر خدا نے کیوں نہ پیدا کیا کہ سب کے سب اس طرح سے نیک کیوں نہ کر دیئے-کہا کہ ہمارے لئے کیا مشکل تھی-و لو شآء لھدٰکم اجمعین-ہمارے لئے کوئی مشکل ہی نہیں ہے-کہ تمہیں ہم صاحب اختیار وارادہ بناتے ہی نہ-پتھر اور مٹی کی طرح بھیڑ اور بکری کی طرح-بلا اختیار وارادہ کے مجبور پیدا کر دیتے-پھر تم بھی ان کی طرح ایک ہی راستے کے اوپر چلتے-کہا پھر انسانیت کا شرف کہاں چلا گیا کہ صحیح راہ اختیار کرو گے اپنے اختیار وارادے سے-کہا کم بختو نیکی وہی نیکی ہوتی ہے کہ جو بدی کا اختیار رکھتے ہوئے اختیار کی جائے-

تواضع ز گردن فرازاں نکوست
گدا گر تواضع کند خوئے اوست

یہ ہے شرف انسانیت ورنہ کر دیتے ہم تمہیں پیدا'اگر ہم چاہتے تو-آپ دیکھتے ہیں راستے میں ہی بات آتی ہے-بات آرہی تھی مویشیوں کی ان کے بھی کیا کیا پہلو سامنے لا رہا ہے-پھر اس کے بعد آپ دیکھئے کس پہلو پہ اس کے اوپر آگیا ہے کہ وہ قصد السبیل پہ چلنے والے ہیں اور پھر آگئی انسان کی بات-ھو الذی انزل من السمآء ماء لکم منه شراب و منه شجر فیه تسیمون-اور پھر آگے چلو-مویشیوں کی دنیا سے آگے-نباتات کی زندگی یہاں آجائیگی-تمہارے لئے اس نے کیا کیا چیزیں نہیں پیدا کیں-اوپر آسمان نیچے زمین-آسمان سے بارش-نہ یہ تمہاری پیدا کی ہوئی نہ وہ تمہاری برسائی ہوئی-لیکن لَکُمْ مِنْهُ-جو کچھ پیدا کر رہے ہیں سب تمہارے لئے-

ملکیت زمین

زمیں جسے آپ کہتے ہیں فلاں کی ملکیت میں-وہ پوچھتا یہ ہے کہ زمین تو اس دن بھی موجود تھی جب کوئی انسان ابھی یہاں نہیں آیا تھا-انسان نے آنے کے بعد یہاں کیا ہم سے خریدی تھی پیسے دے کے پاٹہ لکھایا تھا ہمارے ہاں-یہ جو لکیر مار کے کہنے لگا کہ یہ میری ہے-ینبت لکم به-نہ پانی تمہارا برسایا ہوا نہ زمین تمہاری بنائی ہوئی-اس میں سے جو کچھ پیدا کر رہے ہیں ہم-لکم-جو سب انسانوں کے لئے ہے-ینبت لکم به-سوچئے-لکم کس طرح سے لائے چلا جا رہا ہے'پوچھتے ہیں معاشی نظام قرآن کا کیا ہے؟ صاحب اس کے لئے آپ کو کیا سورتیں-رکوع اور آیتیں ڈھونڈنی پڑیں گی؟وہ تو ایک ایک لفظ میں دیئے چلا جا رہا ہے-اور یاد رکھئے یہ "ل" جو ہے عربی زبان کے اندر-دو معنوں میں آتا ہے-ملکیت کے لئے بھی آتا ہے-صرف نفع کے لئے بھی آتا ہے-جہاں خدا کے لئے یہ آئیگا-لله ملك السمٰوات والارض-ملکیت کے معنی میں آئیگا-جہاں انسانوں کے لئے آئیگا-یہ منفعت کے معنی میں آئیگا کہ اس میں سے فائدہ اٹھا سکتے ہو تم-یہ ملکیت نہیں ہو سکتی-کیونکہ ملکیت کے متعلق تو اس نے کہا ہے کہ وہ ہمارے سوا کسی اور کی نہیں

ہے۔ و لله میراث السموات والارض۔ ہم مالک ہیں۔ واحد مالک ہیں۔ اس نے سورۃ بقرہ میں جہاں کہا ہے تا کہ یہ جو ان چیزوں کے [illegible] بناتے ہیں۔ تجعلون لله انداداً۔ یہ اور خدا بناتے ہیں حقیقت میں۔ مالک تو ہمارے سوا کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا۔ لکم۔ تم ان سے فائدہ اٹھا سکتے ہو۔ ینبت لکم به الزرع والزیتون والنخیل والاعناب و من کل الثمرات کھیتاں تمہارے لئے پیدا کیں۔ یہ زیتون کے درخت۔ کھجوروں کو انگور کو تمام اس قسم کے درخت پیدا کیئے۔ وہ عربوں کے لئے پہلی دفعہ ان کی زبان میں نازل ہوئی۔ انہیں کے ہاں کے جو مرغوب پھل تھے وہ بیان کئے۔ یہاں ہوتے تو میں سمجھتا ہوں کہ آم کا ذکر تو سب سے پہلے ہوتا اس کے اندر۔ اور وہاں وہ ذکر کر دیتا تو وہاں وہ پوچھنے لگ جاتے کہ صاحب یہ کیا ہوتا ہے؟ کیا بات ہے۔ یہ سب کچھ کہنے کے بعد کہا گیا کہ یوں نہی یہ ہم Harticulture اور Agriculture اور اس کے Subjects یا نصاب کی کتابیں ہیں جو بیان کر رہے ہیں ہم ان فی ذالك لآیة یہ تمام چیزیں جو ہم بیان کر رہے ہیں۔ یہاں مقصود بالذات نہیں یہ کسی اور مقصد تک پہنچنے کی نشانی ہے۔ عجیب چیز ہے۔ آیۃ قرآن نے کہا ہے۔ ساری کائنات کو آیۃ۔ آیۃ کن کے لئے لقوم یتفکرون۔ جو غور و فکر سے کام لیتے ہیں۔ غور و فکر سے کام لینے والی قوم کے لئے ان چیزوں میں بڑی نشانیاں ہیں۔ و سخر لکم الیل والنھار والشمس والقمر والنجوم مسخرات بامرہ اور دیکھئے رات اور دن کی یہ گردش۔ شمس و قمر کی یہ تکویر اور یہ ستارے۔ جکڑے ہوئے ہیں ہمارے قانون کی زنجیروں کے اندر۔ لکم پھر تمہارے فائدے کے لئے یہ سب کچھ۔ وہ جو پچھلی دفعہ میں نے سعدی کا کہا۔

باد و باراں مہ و خورشید ہمہ درکار اند

یہ سارے مصروف گردش ہیں اور کام کر رہے ہیں۔ بات اس نے بھی ٹھیک کی تھی۔

تا تو نانے بکف آری و بغفلت نہ خوری

وہ بات تو یہی تھی کہ روٹی تیرے ہاتھ میں آئے لیکن آگے یہ اب دیکھئے فرق کہاں ہے۔ وبغفلت نہ خوری۔ تاکہ روٹی تیرے ہاتھ میں پہنچے لیکن مقصد سے غافل ہو کر تو اس کو نہ کھائے۔ یہ سارا کچھ کہا۔ ان فی ذلك لایت لقوم یعقلون۔ یہ بھی آیات اپنے اندر رکھتے ہیں۔ کن کے لئے۔ پھر عقل و فکر سے کام لینے والوں کے لئے۔ وہ جیسے میں نے کہا ہے۔ مذہب میں آکے تو عقل جو ہے اس کا تو کوئی کام نہیں ہوتا۔ میں نے کہا ہے نا محاورہ آگیا آپ کے ہاں کہ شریعت میں عقل اور شرم کو دخل نہیں ہوتا۔ بے عقل بھی ہونا چاہیدا اے تے بے شرم وی ہونا چاہیدا اے۔ لقوم یعقلون پہلے لقوم یتفکرون تھا لقوم یعقلون ہے یہاں۔ و ماذرا لکم فی الارض۔ جو کچھ ہم نے یہ پھیلا رکھا ہے تمام مائدہ ارض کے اوپر۔ زمین کے دستر خوان کے اوپر مختلف۔ مختلفا الوانه۔ کئی الگ الگ مختلف قسمیں ہیں ان کی رنگا رنگ کے یہ۔ ان فی ذلك لا یة ان میں بھی بہت بڑی نشانیاں ہیں۔ کن کے لئے صاحب۔ لقوم یذکرون یہاں آیا ایک لفظ یذکرون۔

ذکر کے معنی.....ذکر خفی و جلی

ذکر کے تو معنی ہیں کہ قوانین خداوندی کو ہر وقت سامنے رکھو-اس قوم کے لئے کہ جو ان قوانین کو ہر وقت سامنے رکھتی ہے-ان کے لئے ان میں نشانیاں ہیں-اب آپ کے ہاں ذکر تو وہ ہو گیا نا جو مسجدوں میں پہلے خفی ہوتا تھا اب وہ لاؤڈ سپیکر لگ گئے تو جلی ہونے لگ گیا- یعنی پہلے اس کی آواز وہیں تک رہتی تھی- زمانہ آیا ہے بے حجابی کا- ہمارے دور میں ہم نے بچپن میں جو ذکر کئے وہ حجروں کے اندر کئے-دروازہ ایک ہوتا تھا وہ بھی بند بات باہر نکلتی نہیں تھی- پھر یہ باہر نکلا- تو ٹھیک ہے صحن مسجد تک آیا یہ ذکر-وہ ابھی خفی سے درمیانی درجہ تھا-اب اس کے بعد یہ جو زمانہ ہمارا آیا ہے' لاؤڈ سپیکروں کا تو اب اس کے بعد دیکھتے ہیں نا کہ وہ جو ذکر ہے وہ کتنا پھر جلی سے جلی تر ہوتا چلا جاتا ہے دن بدن-اس کا نام ہے اب آپ کے ہاں ذکر-یہ ذکر کرنے والے جن کو اس کا بھی پتہ نہیں ہوتا' اس چیز کا بھی علم نہیں ہوتا کہ یہ جو لاؤڈ سپیکر ہے اس میں سے آواز کیسے بلند ہو جاتی ہے-

لاؤڈ سپیکر کے متعلق فتویٰ

آپ کو معلوم ہے کہ یہ فتویٰ جو دیا تھا- ہمارے ہاں کے سب سے بڑے مفتی محمد شفیع صاحب-اس زمانے میں دیوبند میں مفتی تھے- تقسیم سے پہلے کی بات ہے جب یہ نیا نیا لاؤڈ سپیکر آیا تھا-ان کے مجموعہ فتاویٰ میں ابھی تک موجود ہے- میں نے تو اپنے ہاں اس زمانے میں لکھا تھا- فتویٰ پوچھ لیا-پوچھنے والے بھی تو بڑے ظالم ہوتے ہیں- "اگا پچھا ای نہیں ویکھدے ہیگے-" مفتی صاحب یہ لاؤڈ سپیکر کا استعمال حلال ہے یا حرام ہے-لو میاں کوئی لوٹیاں دی گل کر- فتویٰ دینا بھی ضروری-ان کی شریعت میں یہ کہنا کہ مجھ کو نہیں معلوم توبہ توبہ' جانتے ہی نہیں- کہا کہ فتویٰ انہوں نے پوچھا تو بلا تحقیق تو فتویٰ نہیں دیا جا سکتا تھا-انہوں نے کہا کہ جوبلی ہائی سکول بنارس کا ایک سائنس ماسٹر ہندو نرائن داس' وہ میرے واقف تھے اب فتویٰ کی بنیاد ملاحظہ فرمایئے-اس زمانے کے اسکول کا سائنس ماسٹر اس سے پوچھا کہ صاحب یہ جو ایک نیا طوفان آگیا ہے یہاں ایک شیطان بولتا ہے اس سے وہ آواز اصلی آتی ہے یا نقلی آتی ہے- تو اس نے کہا کہ جی پتہ تو مجھے بھی نہیں ہے-سائنس کی رو سے-"او سویں جماعت نوں پڑھان والا سائنس-" سائنس کی رو سے اسے کیا پتہ تھا لاؤڈ سپیکر کا-ایہہ اوناں نالوں بہر حال زیادہ ٹھیک سی-اوہنے لکھیا سی پتہ تے مینوں وی نہیں لیکن جڈی اچی آواز نکل دی ہیگی اے ایتھوں پتہ لگدا اے کہ بندے دی آواز نہیں ہندی ہیگی-" تو انہوں نے کہا کہ اس سے متحقق ہو گیا کہ آواز اصلی نہیں ہوتی اس لئے قرین ثواب یہی ہے کہ لاؤڈ سپیکر کا استعمال ممنوع قرار دے دیا جائے- فتویٰ موجود ہے اور وہ مفتی صاحب جو ہیں ان کی مسجد اور ان کے دارالعلوم کے اندر دس دس لاؤڈ سپیکر لگے ہوئے ہیں- شیر مادر کی طرح حلال ہو رہا ہے- قرآن نے کہا تھا-ان فی ذلك لاية لقوم يذكرون-کون ہیں عزیزان من-قوم يتفكرون — قوم يعقلون — قوم يذكرون-سوچئے-کہاں سے کہاں ہم آپہنچے-

لحماً طریا

و هو الذی سخر البحر لتا کلو امنه لحما طریا و تستخرجوا منه حلیة تلبسونها- اور وہ دیکھا تم نے سمندر اس قدر لاانتہا قوتوں اور سرکشیوں کا تلاطم انگیز سمندر- کس طرح سے جکڑ رکھا ہے ہم نے قانون کی زنجیروں کے اندر- ان کے اندر زندگی- تمہارے لئے سامان نشوونما ایسا گوشت تر و تازہ- یعنی لحماً طریا- مچھلی کے گوشت کو قرآن نے کہا ہے- تازہ- اس قسم کا گوشت جس میں 99 فیصد پروٹین ہوتی ہے صاحب- تازگی کا یہ عالم وہ یہاں والی نہیں' وہ سمندر سے پکڑی پھر برف کے ڈبوں میں بند کی- یہاں آ کے وہ رکھی رہی- پھر پتہ نہیں کتنے دن بعد آپ کو ملتی ہے- وہ جو بازار میں ملتی ہے اور اگر بڑے ہوٹل میں چلی جائے تو وہ بازار میں پھر آٹھ آٹھ دن کے بعد ملتی ہے- قرآن اسے لحماً طریا کہتا ہے- تازہ بتازہ گوشت- ٹھیک ہے جی- کھانے کو تو دیا- اب پھر وہی جمالیاتی پہلو- کہ اس میں سے موتی بھی تو نکلے' کتنے حسین موتیوں کی کیسی عمدہ مالا ان کی ہوتی ہے کس طرح سے زیورات کی طرح ان کو پہنتی ہیں ہمارے ہاں کی مومنات- وہی پہلو ساتھ زینت کا چلا آرہا ہے صاحب- اور یہ جو رہی ان کے اندر والی وہ مچھلیاں اور کھانے کی چیزیں-

کشتیوں کو دیکھو سینہ بحر پر

و تری الفلك مواخر فیه- (آھاھاھا) اور پھر وہ کشتیوں کو دیکھو- سینہ بحر کو بط کی طرح چیرتی ہوئی چلی جاتی ہیں- کیا الفاظ ہیں صاحب- تو کہا کہ چلی جاتی ہیں- چلی جائیں- کہا نہیں و لتبتغوا من فضله- تاکہ تم سامان معیشت- فضلہ کہا ہے- تاکہ تم اس کو تلاش کر سکو اور Keep کر سکو Secure کرنا ہے- اسٹاک کرنا ہے- سارے آجاتے ہیں معانی اس میں- یہ کشتیاں- یعنی یہ چیز عزیزان من- یہ جہاز- لوہے کا جہاز ہزار ہا ٹن وزن اس کا اکیلے جہاز کا- پھر اس کے اندر بھرا ہوا سامان- اسے سوچئے تو کتنا وزنی ہوتا ہے یہ پانی اس میں لوہے کی سوئی اگر آپ پھینک دیں تو ڈوبتی چلی جاتی ہے- لوہا اور پانی- اس کی کیفیت یہ' یہ پورا لوہے کا سامان اس میں' سارا لوہا بھرا ہوا یہ پانی کے اندر چلا جا رہا ہے- ایک قانون- کہ اگر پانی کے اندر اتنا خلا پیدا کر دیا جائے تو اس کے وزن کے برابر یا اس سے کچھ کم کوئی چیز اب اس میں رکھ دی جائے وہ ڈوب نہیں سکتی- سخر لکم- اگر اس میں یہ قانون کارفرمانہ ہو تو آپ دیکھئے' چودہ سو سال پہلے کی باتیں ہو رہی ہیں- کاہے کے لئے یہ سب کچھ- لعلکم تشکرون- تمہاری محنتیں بھرپور نتائج پیدا کریں- یہ اگر سامان کی حمل و نقل نہ ہو اس انداز کی- خشکی میں یہ اس طرح سے مویشی اور وہ تری کے اندر وہ اس قسم کی کشتیاں- ہوا کے اندر یہ چلنے والے جہاز یہ جو کہا کہ مسخر کیا ہم نے ان تمام چیزوں کو تمہارے لئے- لعلکم تشکرون- ہمارے ہاں تو یہی ہے تاکہ روٹی کھا کے شکر الحمد للہ- یا اور آگے بڑھے تو بڑی سے بڑی مصیبت میں بات کہ میاں صبر شکر سے کام لو- کیا بنتا ہے- لعلکم تشکرون- دیکھا کہاں آ رہی ہیں یہ باتیں- والقیٰ فی الارض رواسی ان تمید بکم- کیا کیا چیزیں گنائے جا رہا ہے یہ زمین کو دیکھتے ہو تم' زمین کم بھر کم نہیں تھی- کہا کہ اس میں پہاڑوں کو بھی دیکھتے ہو- یہ زمین- یہ پہاڑ- کیا تمہیں پتہ بھی ہے- عزیزان من سنئے چودہ سو سال پہلے کی بات

ہو رہی ہے۔

بطلیموسی نظام

میں نے اس سے پہلے بھی یہ بتایا تھا۔ ابھی کل تک ہمارے ہاں زمین کے متعلق وہی پرانا بطلیموسی نظام چلا آرہا تھا۔ زمین کو ساکن مانا جاتا تھا اور یہ سورج وغیرہ کہا جاتا تھا اس کے گرد گھومتے ہیں۔ گھومنے والی زمین کا تصور تو کل دیا آپ کے ہاں کوپرنیکس نے اور نیوٹن نے ابھی دیا اور پھانسی پہ چڑھا دیا گیا انہیں۔ یہ اس قدر لغویات بکواس خرافات کہتے ہیں۔ کہ زمین گھومتی ہے۔ چودہ سو سال پہلے کسی کے تصور میں بھی یہ بات آسکتی تھی کہتے ہیں کہ یہ خدا کا سوال کس طرح سے ہے۔ ارض کہا زمین۔ زمین پہ ہمالیہ جیسے پہاڑ یہ سارے کے سارے ان تمید بکم۔ تمہیں معلوم نہیں کہ یہ تمہیں لئے ہوئے کس طرح سے گردش کر رہی ہے۔ یہ یہاں بکم' ساتھ کہا۔ کسی گردش کرنے والی چیز کے اوپر انسان ذرا کھڑا ہو کے تو بتائے۔ پہلے ہی چکر میں وہ جاتا ہے اڑ کے وہاں۔ وہ کہا کہ سوچو تو سہی۔ یہ کرہ ارض اس پہ یہ اتنے اتنے بڑے پہاڑ اور تم اس کے اوپر اور یہ مصروف گردش۔ (آھاھاھا) اور پھر انہی میں سے۔ وانھٰراً و سبلاً لعلکم تھتدون۔

پانی کی ندیاں بھی اس میں رواں راستے بھی اس کے اندر' تمہارے لئے یہاں سے وہاں تک چلے جاؤ۔ لعلکم تھتدون۔ تاکہ تم صحیح منزل تک پہنچ جاؤ۔ کہا یہ تو بات ہوئی دن کی۔

نشاناتِ راہ

و علمٰت۔ راستے کی نشانیاں لیکن عربوں کے قافلے تو راتوں کو چلتے تھے۔ دن میں بڑی تپش ہوتی ہے وہاں۔ صحرا میں تو خاص طور پر عام طور پہ وہ سفر راتوں کو کرتے تھے۔ راتوں کی تاریکیاں۔ صحرا جیسا وہ راستہ اس میں کوئی جی ٹی روڈ بنی ہوئی ہوتی تھی؟ وہاں کوئی سڑک ہی نہیں۔ صحرا کی تو کیفیت یہ ہوتی ہے کہ آج اگر کہیں کچھ نشانات راہ بنا بھی دیں صبح کے وقت' دوپہر کو ایسی آندھی آتی ہے اس میں تیز ہوا چلتی ہے' یہاں کے ٹیلے وہاں' وہاں کے یہاں۔ سارا نقشہ ہی الٹ جاتا ہے۔ وہاں کوئی نشانات راہ نہیں ہوتے۔ کہا سوچو ذرا اس کو کہ راتوں کو تم نے سفر کرنا تھا۔ صحراؤں میں سفر۔ تاریکیوں میں سفر۔ راستے کا کوئی نشان نہیں ہے۔ ہم نے تمہارے لئے کیا انتظام کیا۔ و بالنجم ھم یھتدون۔ ستاروں کو دیکھ کے تم اپنے راستے متعین کر لیتے ہو۔ تمہارے نشانات راہ تو کبھی مٹ بھی جاتے ہونگے۔ دھوکا بھی دے سکتے ہیں ہمارے مقرر کردہ نشانات کبھی دھوکا نہیں دیتے۔ اب بھی کہیں آپ اگر کسی ویرانے اور جنگل میں ہوں اور معلوم نہ ہو کہ وہ مغرب' قبلے کا رخ کس طرف ہے۔ پرانے لوگ ابھی تک وہ جانتے ہیں۔ ہماری نئی نسل کے بچوں کو تو خیر کوئی مشکل بھی نہیں ان کو قبلے کی سمت معلوم کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ مشکل کاہے کی ہے اللہ بڑا مہربان ہے۔ وہاں کہا جاتا ہے کہ تمہیں معلوم کرنا ہو تو قطب تارے کی طرف اپنا دایاں کندھا جو ہے اس کے برابر میں سیدھا رکھ لیجئے۔ تمہارا رخ صحیح ہو جائیگا قبلے کی طرف۔ اگر یہ قطب تارا آج یہاں ہوتا کل وہاں ہوتا۔ "تے قبلہ چکر کھان ڈھیا ہندا سارا وقت" اتنا محکم نشان عزیزان

... شعور آدم نے جب پہلے اپنی آنکھ کھولی تو وہاں تھا- قیامت تک کے انسانوں کے لئے لعلکم تھتدون- تم اس سے رہنمائی حاصل کرتے چلے جاؤ- آ تو ہمیں معلوم نہیں ہے- ستاروں کا علم نہیں ہے-اب بھی جہازران جو ہیں- جہازوں کے کپتان وغیرہ وہ ... تے ہیں- ستاروں سے راستے متعین کرنا- ہمارے بچپن ب راستے تو نہیں- رات کا جو وقت تھا وہ تو نے اپنے دادا جان کو وہ پچھلے پہر اٹھا کرتے تھے- وہ یونہی سوتے ہوئے کھڑکی سے یوں جھانکا اور کہہ دیا کرتے تھے کہ نہیں بیٹا ابھی تیسرا پہر ہی ہے بھی چوتھا پہر نہیں ہوا- ستاروں سے وقت تو ہمارے ہاں بھی معلوم کیا کرتے تھے-یھتدون کہا تھا- دن کے وقت تو پھر بھی یہ علامات تھیں-رات کے وقت ستاروں کو بنادیا- کہا یہ ہے ہمارا عالم تخلیق جو ہم نے بنایا اور تم ہمارے ساتھ انہیں شریک کرتے ہو-اب دو ہی چیزیں ہونگی یا تو وہ کائنات کی کوئی چیز ہوگی- یہ پہاڑ، دیوی دیوتا، اگنی دیوی، اندر دیوتا یا یہ بت ہونگے- یہ بھی تمہارے بنائے ہوئے یا ہمارے بنائے ہوئے، انسان کچھ بنائیگا اپنے ہاں کا وہ بھی مخلوق- کہا لمبی چوڑی داستان کو چھوڑو- عزیزان من دیکھئے وہ جو کہا تھا نا- بالحق ہم نے پیدا کیا- پیدائش ارض وسموات کی بات کہی گئی ہے- افمن یخلق کمن لا یخلق- کیا وہ جو سب کچھ پیدا کرنے والا ہے اس کے برابر وہ ہو جائیگا جو کچھ پیدا نہیں کر سکتا کہئے-اب یہ صرف سائنس کی کتاب نہ ہوئی- وہ آگیا اپنے مقصد کی طرف یہ سارے شواہد ہو گئے- یہ بات کہنے کے لئے کہا افلا تذکرون- کبھی سوچا ہے تم نے- کہا سوچو ہم نے تو چار چیزوں کا ذکر یہاں کیا ہے-

تم اللہ کی نعمتوں کا شمار نہیں کر سکتے

و ان تعدوا نعمة الله لا تحصوھا- خدا کی ان نعمتوں کو اگر تم گننا چاہو گن نہ سکو-احاطہ نہ کر سکو ان کا- کوئی کلام نہیں صاحب اس ی- سوال ہی نہیں ہے کہ گن سکو تم- کہا ان کی تخلیق کا مقصد- انسانی زندگی کے دو ہی پہلو ہیں- یا تو یہ خطرات سے محفوظ رہے- یہ اس کا Negative aspect ہے- حفاظت اس کی نہایت ضروری ہے- کائنات کی حفاظت بڑی ضروری ہے اور پھر سامان نشوونما- صرف حفاظت کوئی شے نہیں ہے- یہ تو صرف ایک aspect ہے یہ تو Negative پہلو ہے- Positive تو یہ ہے تاکہ اس کے بعد پھر سامان نشوونما ملے کہا یہ سارا کچھ جو تھا- اتنی نعمتیں جن کو تم گن بھی نہ سکو احاطہ نہ کر سکو- ان اللہ لغفور رحیم- یہ سب اس لئے ہے کہ اس کی صفت مغفرت اور صفت اس کی رحیمیت نمود آئے- تمہاری حفاظت بھی ہوتی چلی جائے تمہیں سامان نشوونما بھی ملتا چلا جائے- غفوریت حفاظت کے لئے رحیمیت جو ہے وہ سامان نشوونما دینے کے لئے-

انسانی صلاحیتوں کی ممکنات

آیئے اب انسان کی طرف واللہ یعلم ما تسرون و ما تعلنون- عام معنی تو ہیں کہ ہم جانتے ہیں جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو لیکن اس سے بڑی گہری چیز انسان کے اندر کچھ مضمر صلاحیتیں ہیں جنہیں اس کی ... کہا جاتا ہے- ان صلاحیتوں کی نشوونما کے بعد ان کی نمود ہوتی ہے- وہ صلاحیتیں Actualise ہوتی ہیں- ... صلاحیت ہوتی ہے نا بچے خ- وہ مضمر صلاحیت ہوتی ہے- وہ ہے تسرون کی صورت- چھپی ہوئی صلاحیت

وہی صلاحیت نمود سے باہر آجاتی ہے- وہ علم کی صلاحیت- یہ تعلنون- کی صورت پہ ہوتی ہے- اسے actualise کرنا کہتے ہیں- یہ بڑی چیز ہے سائیکالوجی کے اندر' حقیقت کہ انسان کی مضمرات کو actualise کس طرح کیا جائے' اور دیکھا جائے کہاں کہاں اس ی نقص واقع ہوا ہے- ہم جانتے ہیں تمہاری potentialities کیا ہیں- کہا ہم جانتے ہیں کہ وہ کتنی مشہود ہو گئی ہیں اور کتنی ابھی نامشہود پڑی ہوئی ہیں انسان کے اندر' کیونکہ یہ نعمت خداوندی ہے نا یہ صلاحیت بھی' اور کہا یہ ہے کہ اتنی زیادہ ہیں کہ تم ان کا احاطہ نہیں کر سکتے- تم تو وہی انسان ہو سمجھ سکتے ہو ہم یہ بن گئے- کیا معلوم' کہ ابھی انسان نے کیا کچھ بنتا ہے- اقبال کے الفاظ ہیں- یہ پھر وہی فارسی کے-

یکے در معنی آدم' نگر از من چہ می پرسی

آدم' کے معنی ہیں گندھی ہوئی مٹی- بڑی عجب تشبیہہ یہ شخص لاتا ہے- قرآن نے بھی تو کمال کر دیا یہ کہہ کر- وہ کمہار کے ہاں کبھی چاک آپ نے دیکھا ہوگا- اس کے پاس وہ مٹی کا گندھا ہوا ڈھیر ہوتا ہے نا' ڈھیر سا ہوتا ہے- پتہ ہے اس ڈھیر کیا کیا چھپا ہوا ہوتا ہے- خوبصورت بدنے' آبخورے' پلیٹیں' مٹکے یہ سارا کچھ اس کے اندر ہوتا ہے وہ گردش چاک جو ہے اس سے یہ نمود ہوتی چلی جاتی ہے-

یکے در معنی آدم' نگر از من چہ می پرسی
ز اندر طبیعت می خلد موزوں شود روزے

کہا ابھی یہ جس کو تم کہہ رہے ہو آدم' ہے آدم' خاکی- آدمی بڑے پھنے خان بنے پھر دے ہیئے او یہ تو ابھی فکر خداوندی ی گندھی ہوئی مٹی کی طرح ہے- اس کے چاک پہ چڑھنے کے بعد اس نے کیا کچھ بنتے چلے جانا ہے- یا یوں سمجھو کہ شاعر کے ذہن ایک خیال ہے جو پہلو بدل رہا ہے- ز اندر طبیعت می خلد- خلد کا لفظ بڑا عجیب ہے- خلش پیدا کر رہا ہے ابھی اس کی طبیعت -ابھی یہ عہ موزوں نہیں ہوا ہے-

چناں موزوں شود ایں پیش پا افتادہ مضمونے

یہ جو اس وقت وہاں پیش پا افتادہ سا مضمون ہے اگر اس نے کسی دن شعر کی شکل اختیار کر لی تو اس طرح سے یہ موزوں ہو جائیگا-

کہ یزداں را دل از تاثیر او پر خوں شود روزے

اس شعر کی تاثیر سے خدا کا دل بھی خون ہو کے رہ جائے گا- واللہ یعلم ما تسرون و ما تعلنون- ہم جانتے ہیں کہ ابھی مضمر تمہارے ہاں کیا ہے اور عہ موزوں بننے کے بعد تم نے کیا قیامتیں ڈھانی ہیں- یہ ہے وہ خدا والذین یدعون من دون اللہ لا یخلقون شیئا وھم یخلقون- اسے عزیزان من اگلے درس پہ ہم اٹھا رکھتے ہیں- اس کے بلے یہ جنہیں تم نے خدا بنایا ہوا تھا دیکھو تو سہی یہ کیا ہے-

سورۃ النحل کی آیت 19 تک ہم آگئے- بیسویں سے آئندہ لینگے-

ربنا تقبل منا انکَ انت السمیع العلیم

● ● ● ● ● ● ● ● ● ● ●

اسلامی دستور کی رو سے

مملکت کی غرض و غایت بلکہ وجہ جواز (Justification for Existence) یہ ہوتی ہے کہ

(1) وہ تمام افرادِ مملکت کی بنیادی ضروریاتِ زندگی کے بہم پہنچانے کی پوری پوری ذمہ دار ہو۔ اور

(2) وہ تمام ایسے اسباب و ذرائع فراہم کرے جن سے افرادِ معاشرہ کی مضمر انسانی صلاحیتیں پورے طور پر نشوونما پاتی رہیں۔ اور اس میں چھوٹے اور بڑے کی کوئی تمیز نہ ہو۔

(3) اس میں انصاف بلا قیمت اور بلا رعایت ملے اور کوئی فیصلہ حدود اللہ سے نہ ٹکرائے۔ اگر کسی مملکت میں ایک متنفس بھی رات کو بھوکا سو جائے (حضرت عمرؓ نے تو یہاں تک کہہ دیا تھا کہ اگر دریائے فرات کے کنارے ایک کتا بھی بھوک سے مر گیا تو عمرؓ سے اس کی بابت قیامت میں باز پُرس ہو گی)' اگر اس میں ایک فرد بھی بغیر کپڑے کے رہ جائے' اگر کوئی ایک خاندان بھی چھت سے محروم ہو۔ اگر کوئی ایک بچہ بھی صحیح تعلیم و تربیت کے بغیر رہ جائے۔ اگر کوئی ایک مریض بھی بلا علاج کے مر جائے۔ اگر کسی غریب سے غریب انسان کی جان۔ مال۔ عزت۔ آبرو محفوظ نہ رہے (یاد رہے غریب سے غریب کا لفظ موجودہ معاشرتی حالات کے مطابق استعمال کیا جا رہا ہے ورنہ اسلامی مملکت میں کوئی غریب ہو نہیں سکتا) اگر لوگوں کو انصاف حدود اللہ کے مطابق اور بلا قیمت نہ ملے۔ غرضیکہ جس مملکت میں کوئی فرزندِ آدم اپنے آپ کو کسی ضمن میں بھی کسی دوسرے کا محتاج پائے یا اپنے آپ کو تنہا محسوس کرے تو اس مملکت کو قطعاً حق حاصل نہیں کہ وہ اپنے آپ کو اسلامی مملکت اور اپنے آئین و قوانین کو قرآنی قرار دے سکے۔

کس نباشد در جہاں محتاجِ کس
نکتۂ شرعِ مبیں این است و بس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ڈاکٹر سید عبدالودود

محترم جناب جنرل پرویز مشرف صاحب

اس تحریر کو ضرور پڑھئے

وتمت کلمت ربک صدقا وعدلا لا مبدل لکلمته وهو السمیع العلیم۔ وان تطع اکثر من فی الارض یضلوک عن سبیل الله ان یتبعون الا الظن وان هم الا یخرصون (6:118-119)۔

"اس قرآن میں خدا کا ضابطہ قوانین تمام صداقتوں کو اپنے اندر لئے اور عدل و توازن کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے مکمل ہو چکا ہے اب ان قوانین خداوندی میں کوئی تغیر و تبدل کرنے والا نہیں۔ یعنی یہ مکمل ایسا ہے کہ اس میں اضافے کی گنجائش نہیں اور محکم ایسا کہ اس میں کسی تغیر و تبدل کی ضرورت نہیں۔ یہ اس لئے کہ یہ اس خدا کا ضابطہ قوانین ہے جو سب کچھ سنتا اور ہر بات کا علم رکھتا ہے۔"

اب رہا یہ سوال کہ یہ ضابطہ خداوندی اس روش کے خلاف دعوت دیتا ہے جس پر نوع انسان کی اکثریت گامزن ہے تو یہ اعتراض کچھ وزن نہیں رکھتا اس لئے کہ کسی مسلک کے صحیح ہونے کی یہ کوئی دلیل نہیں کہ اسے اکثریت نے اختیار کر رکھا ہے۔ اگر تم (اس خیال کے مطابق) لوگوں کی اکثریت کا اتباع شروع کر دو تو یہ چیز تمہیں خدا کی راہ سے ہٹا کر گمراہ کر دے گی۔ دنیا کی اکثریت کا تو یہ عالم ہے کہ لوگ محض ظن و تخمین کے پیچھے ہو لیتے ہیں اور یقینی علم کی بجائے قیاس آرائیوں سے کام لیتے ہیں (اس کے برعکس خدا کی وحی جو پیش کرتی ہے وہ سرتا سر علم و حقیقت پر مبنی ہوتا ہے)"

جب سے پاکستان معرض وجود میں آیا ہے' اس وقت سے لے کر آج تک پاکستانی قوم انتشار اور پریشانی میں مبتلا ہے۔ برصغیر کے مسلمانوں نے اپنے لئے جو نصب العین منتخب کیا تھا اور جس کی خاطر تحریک آزادی کی لڑائی لڑی تھی اور جس کے نتیجے میں مملکت پاکستان قائم ہوئی تھی وہ اس مملکت میں قرآنی نظام کا قیام تھا۔ لیکن اب قوم کو ایک عجب مشکل درپیش ہے۔ ایسی مشکل جس کا شاید کسی دوسری قوم کو سامنا نہیں کرنا پڑا۔ مشکل یہ ہے کہ **نصب العین تو موجود ہے لیکن عوام کے سامنے اس کے صحیح خط و خال موجود نہیں اور اس سے بھی بدتر مشکل یہ ہے کہ اس نصب العین تک پہنچنے کا عوام اور خواص دونوں کو راستہ معلوم نہیں۔** قرآنی نظام تک پہنچنے کی خواہش کے باوجود جو راستہ سب نے متفقہ طور پر اختیار کر رکھا ہے وہ مغربی جمہوریت کا راستہ ہے۔ چنانچہ اب کیفیت یہ ہے کہ اندھوں کی ایک قطار ہے جس میں عوام اور دانشور سبھی شامل ہیں۔ ایک کے پیچھے دوسرا اندھا۔ دوسرے کے پیچھے تیسرا' ہر خطرے سے بے نیاز رواں دواں چلے جا رہے ہیں۔ کسی کو معلوم نہیں کون سے کنویں میں کس وقت جا گریں۔ ان اندھوں میں سب سے نمایاں اور قد آور اخبار نویس ہیں جن کی جمہوریت کی پکار وحدت ملت کو پارہ پارہ کر کے ہر وقت انتشار کی مشینری کو حرکت میں رکھتی ہے۔

قرن اول کے بعد مسلم ممالک میں صدیوں تک ملوکیت کا دور رہا ہے اور چونکہ مخصی حکومتیں استبداد کا مجسمہ ہوتی ہیں اس لئے یہی صورت ان ممالک میں رہی اور جب یورپ نے

جمہوریت کو رواج دیا تو چونکہ یہ نظام شخصی حکومتوں کے مقابلے میں بہتر تھا اس لئے دنیا میں ہر طرف اس کا خیر مقدم کیا گیا اور چونکہ اسلامی نظام اس عرصے میں نگاہوں سے اوجھل ہو چکا تھا اس لئے دنیا بھر کے مسلمان بھی اس کے ہم نوا ہو گئے۔ جب قومیں زوال پذیر ہو جاتی ہیں تو ان میں احساس کمتری پیدا ہو جاتا ہے چنانچہ مسلمانوں نے اپنے آپ کو ترقی پسند ظاہر کرنے کے لئے یہ اعلان کر دیا کہ اسلام جمہوری نظام حکومت سکھاتا ہے۔ حالانکہ مغرب کا جمہوری نظام قرآن کے جمہوری نظام سے بالکل مختلف شے ہے۔ آج کچھ لوگ ایسے ہیں جو مغربیت کو اپنانے میں اپنی برتری تصور کرتے ہیں۔ کچھ ایسے ہیں جو غیر شعوری طور پر اس کی طرف کھنچے چلے جاتے ہیں اور عوام کی اکثریت ان میں شامل ہے۔ ایک تیسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جو ہر وقت مغربیت سے نفرت کا اظہار کرتے ہیں لیکن ان کی خود غرضی اور نفس پرستی کی انتہا یہ ہے کہ مغربی جمہوریت کے شور میں ان کی آواز سب سے اونچی اور عملی طور پر وہ اس راستے میں سب سے آگے نظر آتے ہیں۔ یہ گروہ ان لوگوں کا ہے جن کے لئے علماء کی غلط العام اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ مغربی جمہوریت کے متعلق جو سوال ابھر کر سامنے آتے ہیں وہ یہ ہیں:

(1) کیا مغرب کا جمہوری نظام قرآنی نظام کے مطابق ہے یا متصادم؟

(2) کیا مغربی جمہوریت کے راستے پر چل کر ہم قرآنی نظام کے نصب العین کو حاصل کر سکتے ہیں؟

(3) کیا اہل مغرب اپنے وضع کردہ جمہوری نظام سے خود مطمئن ہیں؟

قرآنی نظام:- قرآنی نظام کے حصول کا جذبہ پاکستانی عوام میں شدت سے موجود ہے لیکن وہ خیر و شر کی قوتوں میں جو اس وقت پاکستان میں کارفرما ہیں فرق کرنے سے قاصر ہیں۔ چنانچہ مغربی جمہوریت کے تند و تیز سیلاب میں لاشعوری طور پر بہے جا رہے ہیں۔ قرآنی نظام اور مغرب کے جمہوری نظام میں بنیادی فرق Sovereignty حاکمیت کا ہے۔ مغربی جمہوریت میں حاکمیت عوام کی تسلیم کی جاتی ہے (گو یہ نظریہ غلط اور خود فریبی پر مبنی ہے جیسا کہ آگے چل کر بیان کیا جائے گا) اور قرآنی نظام میں حاکمیت اللہ تعالیٰ کی ہوتی ہے۔ یوں تو پوری کائنات میں اللہ کی حاکمیت ہے۔ ہر ذرۂ کائنات اور اس کی ہر حرکت اللہ کے کنٹرول میں ہے لیکن جہاں تک انسانی معاملات کا تعلق ہے اللہ انہیں براہ راست کنٹرول نہیں کرتا۔ انسان کے لئے راہنمائی انبیاء کے ذریعے نازل ہوئی اور اس کے ساتھ ہی انسان کو اختیار و ارادہ دے دیا گیا ہے کہ چاہے اس راہنمائی کے مطابق زندگی بسر کرے یا نہ کرے۔ اگر کرے گا تو اس کی ذات کی تعمیر ہوتی جائے گی اور اگر نہ کرے گا تو اس کی ذات کی تخریب اور اس کے معاشرے میں فساد برپا ہوتا جائے گا۔ چنانچہ انسانی دنیا میں اللہ کی حاکمیت سے مراد اللہ کے قانون کی حاکمیت ہے اور اس وقت زمین پر اللہ کا نازل کیا ہوا قانون صرف قرآن کریم کے اندر موجود ہے۔ اس لئے انسانی معاشرے میں اللہ کی حاکمیت سے مراد قرآن کے قوانین اور مستقل اقدار کی حاکمیت ہے اور چونکہ اللہ کے قوانین کی محکومیت انفرادی طور پر اختیار نہیں کی جا سکتی اس کے لئے انسانی مشینری کی ضرورت ہوتی ہے' ان معنوں میں قرآن اس ہیئت اجتماعیہ کو جو تمدنی نظم و نسق کو کتاب اللہ کے مطابق چلائے حاکم تسلیم کرتا ہے۔ جماعت مومنین اس صورت میں ہی کتاب اللہ کے مطابق نظم و نسق قائم کر سکتی ہے جب اس کی اپنی آزاد مملکت ہو۔ چنانچہ مومنین کے لئے **تمکن فی الارض** ضروری ہے' بالفاظ دیگر اسلامی مملکت میں حکومت کی مشینری صرف اللہ کے قوانین کو نافذ کرنے کا ذریعہ ہوتی ہے۔ اس مملکت میں روزمرہ کے معاملات زمانے کے تقاضوں کے مطابق باہمی مشاورت سے طے ہوتے ہیں اور ایسے جزوی قوانین مرتب کیے جاتے ہیں جو قوانین خداوندی کی حدود سے باہر نہیں جا سکتے۔ کسی انسان کو حق حاصل نہیں کہ اللہ کے قوانین کے دائرے سے باہر جائے اور دوسروں سے اپنے خود ساختہ قوانین منوائے۔

ماکان لبشر ان یوتیہ اللہ الکتاب والحکم والنبوۃ ثم یقول للناس کونوا عباد الی من دون اللہ..... -(3:78)

(کسی انسان کو اس کا حق حاصل نہیں کہ خدا اسے ضابطہ قوانین' حکومت اور نبوت (بھی کیوں نہ) عطا کرے اور وہ لوگوں سے کہنا شروع کر دے کہ تم خدا کے احکام کی جگہ میرے احکام کی اطاعت کرو)۔

چنانچہ قرآنی نظام میں قوت کا سرچشمہ خارجی ہے۔

مغربی جمہوریت:- اب دیکھئے کہ قرآن کے مقابلے میں مغربی جمہوریت کس قسم کا نظام حکومت پیش کرتی ہے۔ اقوام مغرب کے ہاں جمہوریت کی بنیاد حسب ذیل مفروضات پر ہے۔

(1) اس نظام میں حاکم اور محکوم کا امتیاز باقی نہیں رہتا۔ "عوام کی حکومت عوام کے مفاد کی خاطر اور عوام ہی کی وساطت سے" کا اصول اس کی بنیاد ہے۔

(2) عوام کا منشاء ان کے نمائندگان کے ذریعے معلوم ہو سکتا ہے۔

(3) کسی چیز کے غلط یا صحیح ہونے کا معیار ان نمائندگان کی کثرت رائے سے ہوتا ہے۔

(4) اقلیت کو اکثریت کے فیصلے تسلیم کرنے پڑتے ہیں۔

اب دیکھئے کہ ایک لمبی مدت تک آزمانے کے بعد خود مغربی مفکرین کی مندرجہ بالا نظریات کے متعلق کیا رائے ہے۔ پروفیسر کوہن لکھتا ہے: "اگر سیاست کو نظری حیثیت سے نہیں بلکہ عملی حیثیت سے دیکھا جائے تو یہ ماننا پڑے گا کہ حاکم اور محکوم کو ایک ہی تصور کرنا عملی ناممکنات میں سے ہے عملاً حکومت افراد کے ایک طبقہ پر مشتمل ہوتی ہے اور رعایا افراد کے دوسرے طبقے کا نام ہوتا ہے۔ جب معاشرہ اپنی ابتدائی قبائلی زندگی سے آگے بڑھ جائے تو حاکم اور محکوم کبھی ایک نہیں ہو سکتے" (Crisis of Civilisation)-

اس نظریے کے متعلق کہ صحیح وہ ہے جسے اکثریت صحیح کہہ دے: پروفیسر مذکور لکھتا ہے۔ "اگر کسی بات کو لاکھ آدمی بھی صحیح کہہ دیں تو وہ صحیح نہیں ہو سکتی۔ فیصلہ وہ صحیح ہو سکتا ہے جو دراصل صحیح ہو' نہ وہ جسے لوگ صحیح کہنا شروع کر دیں"

اقتدار اعلیٰ کے متعلق پروفیسر کوہن لکھتا ہے۔ "آج اس مفروضہ کو حقیقت ثابتہ تسلیم کر لیا جاتا ہے کہ اقوام کو اقتدار اعلیٰ حاصل ہے اور اس کے بعد بحث صرف اس مسئلہ کے متعلق رہ جاتی ہے کہ اختیارات کسی فرد واحد کے ہاتھ میں ہونے چاہئیں یا کسی نمائندہ جماعت کے۔ لیکن ہمیں غور کرنا چاہئے کہ اقتدار اعلیٰ کا یہ تصور صحیح بھی ہے؟ یہ ہے اصل مسئلہ کہ آیا قانون کا سرچشمہ عوام ہی کا منشاء ہے یا اس کے علاوہ کوئی اور سرچشمہ بھی ہے؟ یعنی پروفیسر مذکور کے نزدیک سوال یہ نہیں کہ قانون کی تدوین کا حق کسی ایک فرد کو حاصل ہے یا نمائندہ اسمبلی کو' بلکہ اصل سوال یہ ہے کہ کیا انسانوں کو یہ حق حاصل بھی ہے کہ بلا حدود و قیود قوانین وضع کر لیں؟ پروفیسر مذکور آگے جا کر لکھتا ہے کہ انسانوں کو یہ حق حاصل ہی نہیں۔ تمام قوانین اپنے اصل کے اعتبار سے پہلے ہی سے مدون شدہ ہیں۔ انسانوں نے فقط ان قوانین کو نافذ کرنا ہے۔ ان اصولی قوانین کا سرچشمہ پروفیسر مذکور کے نزدیک قانون فطرت ہے۔ چنانچہ ان کے نزدیک یہ بنیاد ہی غلط ہے جس پر جمہوریت کی عمارت استوار ہوتی ہے۔ حق حق ہوتا ہے خواہ اس کی تائید میں ایک ہاتھ بھی نہ اٹھے اور باطل' باطل ہوتا ہے خواہ اسے سو فیصد تائید حاصل ہو۔

کیمبرج یونیورسٹی کے پروفیسر ایونگ (Ewing) اپنی کتاب The Individual, The State and World Government میں لکھتا ہے کہ نظام جمہوریت کے حق میں بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔ اس لئے کہ یہ نظام باہمی رضامندی کے قریب تر چلا جاتا ہے۔ یہی وہ نظام ہے جس میں مختلف مفادات کو نمائندگی حاصل ہوتی ہے اور جو سیاسی آزادی اس نظام کی رو سے حاصل ہوتی ہے اس کا اثر انسانی کریکٹر پر بہت اچھا پڑتا ہے۔ ان دلائل سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ اس نظام کے بہت سے فائدے ہیں' لیکن دوسری طرف اس کے نقصانات اس کے فوائد سے

بڑھ کر ہیں۔ جمہوریت کے خلاف سب سے بڑی اصولی دلیل اس قدر واضح ہے کہ اس کی لمبی چوڑی تشریح کی ضرورت نہیں۔

ڈیموکریسی کے معنی ایک ایسا نظام حکومت ہے جس میں ہر انسان دخیل ہوتا ہے لیکن حکومت ایک خاص فن ہے اور بڑی مشکل سائنس۔ ہر شخص میں نہ اس کی صلاحیت ہو سکتی ہے نہ اس کا مذاق۔ نہ اس کے لئے فرصت نہ میلان کہ وہ اس فنی سائنس کا ادراک حاصل کر سکے۔ جس طرح ہر عطائی فن طب کا ماہر نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا جمہوریت کے معنی ہیں ایسے لوگوں کی حکومت جو فن حکومت کے ماہر نہ ہوں۔ بس اس کی مثال یوں سمجھئے جیسے طب کے کسی عام سوال کے متعلق عوام کی کثرت رائے سے فیصلہ کیا جائے اور ان آراء میں ماہر فن ڈاکٹر کی رائے بھی ایک ہی شمار کی جائے۔

جمہوریت کے خلاف یہی اعتراض افلاطون نے کیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ نظام حکومت جیسے فریضے کو عوام کے سپرد کرنا بڑی حماقت ہے۔ اسے ملک کے بہترین افراد کے سپرد کر دینا چاہئے تاکہ وہ اپنی دانش اور آراء سے عوام کی سطح بلند کرتے جائیں۔

اطالوی مدبر میزنی (Mazini) لکھتا ہے۔ ''اس میں شبہ نہیں کہ عام رائے دہندگی کا اصول بہت اچھی چیز ہے لیکن ایسی قوم میں جس میں وحدت عقائد نہ ہو جمہوریت اس سے زیادہ اور کیا کر سکتی ہے کہ وہ اکثریت کے مفاد کی نمائندگی کرے اور اقلیت کو مغلوب رکھے۔ ہم یا تو خدا کے بندے ہو سکتے ہیں یا انسان کے۔ وہ ایک انسان ہو (جیسا ملوکیت میں) یا زیادہ (جیسے جمہوریت میں) بات ایک ہی ہے۔ اگر انسانوں کے اوپر کوئی اقتدار اعلیٰ نہ ہو تو پھر کون سی ایسی چیز باقی رہ جاتی ہے جو ہمیں طاقتور افراد کے غلبہ سے محفوظ رکھے۔ اگر ہمارے پاس کوئی ایسا مقدس اور ناقابل تغیر قانون نہ ہو جو انسانوں کا وضع کردہ نہ ہو ہمارے پاس وہ کون سی میزان رہ جاتی ہے جس سے ہم پرکھ سکیں کہ فلاں کام یا فلاں فیصلہ عدل پر مبنی ہے یا نہیں۔ اگر خدا درمیان میں نہ ہو تو ہر شخص اپنے زمانہ سطوت میں مستبد بن جاتا ہے۔ یاد رکھئے کہ جب تک کوئی حکومت خدا کے قوانین کے مطابق نہیں چلتی اس کا کوئی حق مسلم نہیں۔ حکومت تو منشائے خداوندی کی ترویج و تنفیذ کے لئے ہے۔ اگر وہ اپنے اس فریضے کی انجام دہی سے قاصر ہے تو تمہارا یہ حق ہی نہیں بلکہ فریضہ ہے کہ ایسی حکومت کو بدل ڈالو''۔

(Interpretters of Man pp 46-47)

یہ جو اوپر بیان کیا ہے یہ انیسویں صدی میں لکھا گیا تھا اور اب فرانس کا مفکر رینی گون Rene Guan لکھتا ہے۔ ''اگر لفظ جمہوریت کی تعریف یہ ہے کہ لوگ خود اپنی حکومت آپ کریں تو یہ ایک ایسی چیز ہے جس کا وجود ناممکنات میں سے ہے اور جو نہ کبھی پہلے وجود میں آئی ہے اور نہ آج کہیں موجود ہے۔ ایسا کہنا ہی دو متضاد چیزوں کو اکٹھا کرنا ہے کہ ایک ہی قوم بیک وقت حاکم بھی ہو اور محکوم بھی۔ حاکم اور محکوم کا وجود دو الگ الگ عناصر کا متقاضی ہے۔ اگر حاکم نہیں تو محکوم بھی نہیں۔ ہماری موجودہ دنیا میں جو لوگ کسی نہ کسی طرح قوت و اقتدار حاصل کر لیتے ہیں ان کی سب سے بڑی قابلیت اس میں ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کے دلوں میں یہ عقیدہ قائم کر دیں کہ ان پر کوئی حاکم نہیں بلکہ وہ خود اپنے آپ پر حاکم ہیں۔ عام رائے دہندگی کا اصول اسی فریب دہی کی خاطر وضع کیا گیا ہے۔

Irwing Barbit نامی مفکر Crisis of the Modern World میں لکھتا ہے ''جمہوریت نظری اعتبار سے تو اپنے آپ کو مثالی نظام محسوس کرتی ہے لیکن عملی طور پر یہ ناممکن نظریہ ہے''۔ H.L.Menkin کتاب Treatise on Right and Wrong میں لکھتا ہے ''انسان کی سب سے بڑی ناکامی یہ ہے کہ اپنے لئے آج کوئی ایسا نظام وضع نہیں کر سکا جسے دور سے بھی اچھا کہا جائے۔ اس نے اس باب میں بڑی جدی کوشش بہت سی ایسی جو فی للواقع محیر العقول ہیں۔ ... بڑی عبرت آتا تھی۔ لیکن جب ان کی توقع حسرت و یاس کے ساتھ

تھا کہ نظری طور پر حکومت کا خاکہ کھینچ لینا اور بات ہے اور عملی طور پر اسے نافذ کرنا اور بات ہے۔ فطری طور پر حکومت اس کے سوا کچھ بھی نہیں کہ یہ افراد مملکت کی ضروریات زندگی مہیا کرنے کا ذریعہ ہے اور پبلک کی خادم، لیکن درحقیقت اس کا عملی نقشہ جو سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ حکومت کا فریضہ پبلک کی خدمت نہیں بلکہ سلب و نہب ہوتا ہے۔ اس بناء پر مختلف اسالیب حکومت میں سب سے زیادہ ناکام نظام جمہوریت ہے۔ جمہوری نظام کے ارباب حل و عقد خوب جانتے ہیں کہ حکومت کی بناء معقولیت پر ہونی چاہئے لیکن ان کا جذبہ محرکہ کبھی معقولیت پسند نہیں ہوتا۔ ان کا کام یہ ہوتا ہے کہ جو عنصر بھی باہر سے زیادہ سے زیادہ دباؤ ڈال سکے اس کا ساتھ دیا جائے۔ چنانچہ اس ہتھکنڈے سے وہ ان لوگوں کے توسط سے جو فی الحقیقت پبلک کے دشمن ہوتے ہیں، غیر مختتم عرصہ تک برسراقتدار رہتے ہیں۔"

یو۔ این۔ او کی تحقیقاتی کوشش:- 1947ء میں اقوام متحدہ کی ثقافتی مجلس UNESCO نے ایک تحقیقاتی کمیٹی اس غرض کے لئے مقرر کی کہ وہ جمہوری انداز حکومت کے متعلق سرکاری طور پر چھان بین کرے۔ اس چھان بین کا نتیجہ انہوں نے ایک کتاب کی شکل میں شائع کیا جس کا نام ہے Democracy in the World of Tension۔ اس نے دنیا بھر کے مفکرین اور مدبرین کے سامنے یہ سوال پیش کیا تھا کہ جمہوریت کا مفہوم کیا ہے؟ جوابات کی اکثریت میں اعتراف کیا گیا کہ یہ لفظ مبہم ہے اور آج تک اس کا مفہوم ہی متعین نہیں ہو سکا۔

اس کے بعد یہ سوال سامنے آتا ہے کہ آیا اکثریت کا فیصلہ ہمیشہ درست ہوتا ہے اور اس کے خلاف احتجاج کرنا کیا جمہوریت کے خلاف ہے؟ اس کے جواب میں کہا گیا ہے کہ یہ سمجھنا غلط ہے کہ اکثریت کا فیصلہ غلطی سے پاک ہوتا ہے۔ وہ غلط بھی ہو سکتا ہے۔ اس لئے اقلیت کو حق حاصل ہے کہ وہ اکثریت کے فیصلے کے خلاف ایجیٹیشن کرے اور اکثریت کے سابقہ فیصلے کو بدلوا ڈالے۔

جمہوریت ایک خود فریبی ہے:- یہ ہے موجودہ دور کے مفکرین و مدبرین کی جمہوریت کے متعلق فکری کاوش کا ماحصل۔ اس سے اندازہ لگائیے کہ نظری اعتبار سے جمہوریت کتنی خوش آئند معلوم ہوتی ہے لیکن عملی طور پر انسانیت کے مسائل حل کرنے میں کس قدر ناکام ہے۔ یہ کس قدر غلط نظریہ ہے کہ جمہوریت میں حاکم اور محکوم کی تمیز مٹ جاتی ہے۔ حالانکہ ایک مغربی مفکر کے قول کے مطابق State is a Conspiracy Against the Nation حکومت حاکم طبقہ کی محکوم طبقہ کے خلاف سازش کا نام ہے۔ غور کیجئے کہ بالفرض انتخابات کے وقت میں کسی ایک شخص کے حق میں ووٹ دیتا ہوں۔ اس ووٹ کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ یہ شخص چند امیدواروں میں سے بہتر شخص ہے لیکن میرے اس فیصلے سے نہ تو وہ شخص حقیقتاً سب سے بہتر ہوتا ہے اور نہ ہی وہ شخص ہر معاملے میں میرے منشاء کی تعبیر کر سکتا ہے۔ اسمبلی میں وہ نمائندہ جب ایک مسئلہ پر رائے دیتا ہے تو ناممکن ہے کہ اس مسئلہ پر وہ ہر ووٹر کی رائے کی نمائندگی کر سکے۔ لہٰذا منتخب شدہ نمائندوں کے متعلق یہ کہنا کہ ہر مسئلہ میں ان کی رائے درحقیقت ان لوگوں کی رائے ہے جنہوں نے ان کے حق میں ووٹ دیا تھا خود فریبی کے سوا کچھ نہیں۔ جیسا کہ پہلے کہہ چکا ہوں کہ مغرب کے جمہوری نظام میں آخری فیصلے کا حق اکثریت کو حاصل ہوتا ہے۔ اس نظام میں نہ کوئی چیز مطلق حق ہے اور نہ مطلق باطل۔ **لیکن دوسری طرف قرآن حق اور باطل کے مستقل اور مطلق معیار مقرر کرتا ہے۔** جس چیز کو اس نے صحیح قرار دیا وہ ہمیشہ صحیح ہے۔ چاہے سو فی صد انسان اسے باطل قرار دے دیں۔ قرآن کھلے الفاظ میں کہتا ہے کہ حق اپنی ذات میں حق ہوتا ہے۔ اگر وہ لوگوں کے خیالات کا تابع ہو جائے تو کائنات میں فساد برپا ہو جائے۔ مغربی جمہوریت کا نظریہ یہ ہے کہ حق اور باطل کے تعین میں اکثریت غلطی نہیں کرتی حالانکہ تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ نوع

نسانی کی اکثریت عام طور پر صحیح راستے پر نہیں ہوتی اور قرآن
س تاریخی شہادت کی تائید کرتا ہے اور واضح الفاظ میں اعلان
کرتا ہے کہ

ان کثیرا من الناس عن ایا تنا لغافلون۔

میرے کہنے کا یہ مقصد نہیں کہ انسانوں کی اکثریت کبھی حق پر اکٹھی ہو ہی نہیں سکتی بلکہ یہ کہ اگر حق پر اکٹھی بھی ہو جائے تو حق کو پرکھنے کا معیار یہ نہیں کہ چونکہ اکثریت اس پر جمع ہو گئی ہے اس لئے یہ حق ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ اس وقت بھی حق پر تھے جب ان کی تائید کرنے والا ابھی کوئی دوسرا شخص نہ تھا اور پوری کی پوری اکثریت مخالف تھی۔ اگر اسلام مغرب کے مفہوم کے اعتبار سے جمہوری نظام ہوتا تو حق وہی قرار پاتا جس کی تائید کفار مکہ کر رہے تھے۔ جیسا کہ پہلے بیان کر چکا ہوں قرآن کریم نے نوع انسانی کے لئے محکم اور غیر متبدل اصول مقرر کر دیے ہیں۔ یہ اصول اسلامی معاشرے کے تمام بنیادی خدوخال متعین کرتے ہیں۔ اس لئے ان اصولوں کے متعلق یہ تصور ہی غلط ہے کہ ان کے صحیح یا غلط ہونے کے لئے رائے شماری کرائی جائے۔ چنانچہ اسلامی نظام کا یہ حصہ جمہوری تصورات سے یکسر الگ اور بلند ہے۔ البتہ ان اصولوں کی روشنی میں ہر زمانے کی ملت اسلامیہ اپنے اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق جزوی قوانین خود مرتب کرے گی اور قوانین کی تنفیذ کے لئے ایک مشینری وضع کرے گی۔ یہ وہ پہلو ہے جس کے لئے قرآن مشاورت کا حکم دیتا ہے۔ لہٰذا اس حد تک اسلام ایک مشاورتی نظام ہے۔ چنانچہ اسلامی نظام متبدل اور غیر متبدل Permanance and Change کا حسین امتزاج ہے۔ خود حضور اکرم ﷺ کا اسوۂ حسنہ ہمارے سامنے ہے۔ حضور ﷺ روزمرہ کے معاملات میں ہر اہم مرحلہ پر صحابہ کرام سے مشاورت فرماتے تھے اور باہمی مشاورت سے جو طے پاتا تھا اس کے لئے احکام نافذ فرماتے تھے۔

اس وضاحت کے بعد اگلا مرحلہ یہ سامنے آتا ہے کہ پاکستانی قوم کی کشتی عرصہ نصف صدی سے جس بھنور میں پھنسی چلی آرہی ہے اس سے باہر نکلنے کا راستہ صرف "قرآنی نظام" ہے۔ لیکن قرآنی نظام کے لئے Guideline کیا ہے؟ یعنی وہ بنیادی اصول کیا ہیں جن پر قرآنی نظام کی عمارت کھڑی کی جا سکتی ہے؟

قرآنی معاشرہ کے بنیادی اصول:- آج مملکت پاکستان میں اکثر لوگ نالاں ہیں کہ نصف صدی کا عرصہ گذرنے کے بعد بھی یہاں اسلامی نظام قائم نہیں ہو سکا حالانکہ حصول پاکستان کا نصب العین یہی تھا۔ دوسری طرف یہ بھی عام احساس ہے کہ درآمد شدہ غیر اسلامی نظریات اسلامی نظام کے قیام کے راستے میں حائل ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ غیر اسلامی جدید نظریات عوام اور خاص طور پر نئی پود کے ناپختہ ذہنوں کو پراگندہ کر رہے ہیں۔ لیکن اسلامی نظام کے قیام کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ ہے کہ ہم خود اس نظریہ حیات سے غافل ہیں جو قرآن کریم نے ہمارے لئے متعین کیا ہے، ہم ان مستقل اقدار سے بے خبر ہیں جو قرآنی معاشرہ کی بنیاد ہیں۔ ہمارے علماء اور ہمارے وہ اخبارات، جو اسلامی نظام کے قیام کے خواہاں ہیں، وہ بھی مدت سے یہی ایک ہی راگ الاپتے چلے جا رہے ہیں کہ پاکستان میں قرآنی قوانین نافذ کئے جائیں۔ لیکن برادران! کوئی مملکت اپنے ہاں صرف قرآنی قوانین نافذ کرنے سے اسلامی مملکت نہیں بن جاتی۔ مثلاً اگر کوئی غیر مسلم حکومت اپنے ہاں اسلامی قوانین رائج کرے تو کیا وہ اسلامی حکومت بن جائے گی؟ اسلامی مملکت کا فریضہ یہ ہوتا ہے کہ وہ قرآن کی عطا کر[illegible] مستقل اقدار کی بنیاد پر معاشرہ متشکل کرے۔ قوانین دراصل ان موانع کو دور کرنے کا ذریعہ ہوتے ہیں [illegible] کسی مملکت کے حصول مقصد کے راستے میں [illegible] ہوں۔ قرآنی اقدار کے مطابق معاشرہ کی تشکیل اس صورت [illegible] ممکن ہے کہ افراد معاشرہ کی تعلیم و تربیت اس [illegible] جائے کہ ان اقدار کی عظمت و [illegible]ت ان کے دل و [illegible] راسخ ہو جائے۔ وہ ان کا احترام و [illegible] قرار دیں۔ یہی ان کے تحریک [illegible]

ہر ارادہ ان کے مطابق اور ہر فیصلہ ان کے تابع ہو۔ اس طرح رفتہ رفتہ ان کی حالت یہ ہو جائے کہ ان کا ہر قدم غیر شعوری طور پر بھی ان اقدار کے مطابق اٹھے۔

مستقل اقدار سے کیا مراد ہے؟ اسے میں ایک مثال سے واضح کرتا ہوں۔ ہمارے ہاں ایک ضرب المثل مشہور ہے "مال صدقہ جان۔ جان صدقہ آبرو"۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ مال بھی اپنی جگہ قیمت رکھتا ہے لیکن اگر کبھی ایسا ہو کہ مال اور جان میں سے ایک چیز بچ سکتی ہو تو انسان کو جان کی خاطر مال قربان کر دینا چاہئے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ مال کے مقابلے میں جان کا بچانا ازروئے عقل زیادہ نفع رساں ہے اس لئے جب مال اور جان میں Tie پڑ جائے تو انسانی عقل مال کو قربان کر کے جان کو بچا لے گی اور اگر کبھی ایسا ہو کہ جان اور آبرو میں Tie آپڑے تو آبرو کے تحفظ کے لئے جان قربان کر دی جائے گی۔ جو کچھ اوپر کہا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ مال، جان اور آبرو میں ہر شے اپنی اپنی قیمت رکھتی ہے لیکن ایک تو ان کی قیمتوں میں فرق ہے یعنی مال کی قیمت سے جان کی قیمت زیادہ ہے اور جان کی قیمت سے آبرو کی قیمت زیادہ ہے۔ دوسرے یہ کہ آبرو اتنی قیمتی چیز ہے کہ اسے کسی چیز کی خاطر قربان نہیں کیا جا سکتا۔ بالفاظ دیگر مال اور جان کی اقدار اضافی یا Relative ہیں اور آبرو کی قیمت مستقل Permanent یا مطلق یعنی Absolute ہے۔ اب کرنے کا کام یہ ہے کہ عقل کو بتایا جائے کہ زندگی کی فلاں متاع کی قیمت کیا ہے اور کون کون سی چیزیں ہیں جو مستقل اقدار رکھتی ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ جب تک مستقل اقدار کا تعین نہ کیا جائے یہ متعین کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے کہ کس چیز کی خاطر کونسی چیز قربان کر دی جائے۔ دین وہ طریق زندگی بتاتا ہے جس پر چل کر کاروان انسانیت اپنی منزل تک پہنچ سکتا ہے۔ دین یہ طریق کس طرح متعین کرتا ہے اس کا جواب ایک فقرے میں یہ ہے کہ دین مستقل اقدار کا تعین کرتا ہے۔ قرآن کریم نے ان اقدار کی الگ فہرست مرتب کر کے نہیں دی لیکن اس کی ساری تعلیم اس محور کے گرد گردش کرتی ہے۔ کہیں یہ ابدی اصولوں کی شکل میں دی گئی ہیں۔ کہیں حضرات انبیاء کرام اور جماعت مومنین کی صفات اور خصوصیات کے رنگ میں۔ علاوہ بریں چونکہ ذات خداوندی ایک مکمل ترین اور بلند تریں ہستی ہے اس لئے اس کی صفات بھی ان اقدار کا سرچشمہ ہیں۔ اسلامی مملکت میں یہ اقدار مملکت کے اجتماعی امور میں بھی کارفرما ہوں گی اور افراد کی سیرت میں بھی۔ یہ موضوع بہت وسیع ہے لیکن چند ایک مستقل اقدار کا ذکر میں ضروری سمجھتا ہوں۔

(جاری ہے)

تبریک و دعا

دیرینہ وابستہ دامن قرآنی محترم محمد رفیق راجہ مقیم مونٹریال، کینیڈا کے ہاں 18 سال کے بعد رحمت ایزدی سے ایک خوبصورت سا بچہ تولد ہوا ہے۔ نام رکھا گیا ہے عتیق رفیق راجہ۔ دعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نومولود کو زندگی میں کامیابیاں و کامرانیاں اور رزق کی فراوانیاں عطا کرے اور وہ اپنے اندر مضمر و موجود صلاحیتوں کی نشوونما سے تمام بنی نوع انسان کے لئے موجب خیر و برکت بنے۔ محترم ایم۔ آر راجہ صاحب ادارہ کی جانب سے مبارکباد قبول فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کٹر شبیر احمد' (فلوریڈا) امریکہ

میں کرسچن کیوں نہیں ہوں؟
(4)

مسیحیت اور عظیم کرسچن سکالرز

حریف نکتہ توحید ہو سکا نہ حکیم
نگاہ چاہئے اسرار لا الٰہ کے لئے

لیکن آج ہمارے معزز قارئین مغرب کے ان عظیم سکالرز کے ارشادات ملاحظہ فرمائیں گے جنہیں قدرت نے تنقیدی نگاہ بھی عطا کی تھی اور کھلا دل و دماغ بھی۔ مسیحی بھائیوں بہنوں سے درخواست ہے کہ اسی انداز سے مطالعہ فرمائیں۔

صاحبو! اس سلسلہ مضامین پر ہمیں مسلمانوں ہی کے نہیں یہود و نصاریٰ کے ان گنت تبصرے اور سوالات موصول ہو رہے ہیں۔ یہ بات ہم اپنے لئے باعث اعزاز سمجھتے ہیں۔ ہر مذہب اور مکتبہ فکر کے افراد کی بھاری اکثریت نے ہماری ریسرچ اور کاوش کی حوصلہ افزائی اور تائید کی ہے۔ اکا دکا گوشے سے مخالفت کی صدا بھی اٹھی ہے جو غیر متوقع نہیں۔ اس مخالفت کی وجہ وہی رہی ہے کہ بعض افراد کے لئے اپنے موجودہ عقائد اور نظریات سے ہٹ کر سوچنا ممکن ہی نہیں ہوتا لیکن ہم ان سب خواتین و حضرات کے تہہ دل سے ممنون ہیں جنہوں نے اپنی گرانقدر رائے سے نوازا ہے۔ بہت سے افراد نے ہماری مخلصانہ کاوش کو بے انتہا مفید قرار دیا ہے۔ بے شمار غیر مسلم کھلے دل سے فرما رہے ہیں کہ اسلام کی صحیح روح اور تعلیم پہلی بار ان کی سمجھ میں آنی شروع ہوئی ہے۔ ہم ان معزز خواتین و حضرات کا خصوصی شکریہ ادا کرتے ہیں۔

اتنے ڈھیر سارے تبصروں میں کچھ محترم ریڈرز نے یہ بھی پوچھا ہے کہ شبیر احمد نے میڈیکل ڈاکٹر ہوتے ہوئے اتنا مشکل اور دقیق مذہبی موضوع کیسے چن لیا؟ اس میں فلسفہ بھی ہے تاریخ بھی' علم انسانیات بھی ہے۔ آسمانی کتابوں کا ذکر بھی۔ لو، پھر اس موضوع پر قلم اٹھانا خطرے سے خالی نہیں۔ یہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ یہ مضمون لکھنے کی ضرورت کیوں پڑی؟ مختصراً" پھر عرض کرتے ہیں اس لئے کہ اسلام کے بارے میں اہل مغرب کی غلط فہمیاں دور ہوں' کہ مسلمانوں کے کسی غلط فعل کو اسلام کی خطا نہ سمجھا جائے' غلط روایات کو اسلامی تعلیم سے کنفیوز نہ کیا جائے۔ مسلم بھائی بہن بھی اس قابل ہو جائیں کہ وہ غیر مسلموں تک اسلام کی اصل تعلیم پہنچا سکیں۔ یہ تو تھی ضرورت۔ ڈاکٹر ہوتے ہوئے کیسے کیا؟

جب اس انگارۂ خاکی میں ہوتا ہے یقیں پیدا
تو کر لیتا ہے یہ بال و پر روح الامیں پیدا

صاحبو! انکساری سے عرض ہے کہ تلاش حق کی خاطر [redacted] نے دنیا کے تمام مذاہب کا بغور مطالعہ کیا ہے۔ قرآن کی [redacted] بائبل کو بھی توجہ سے پڑھا ہے۔ قرآن حکیم کو حجاز مقدس [redacted] برسوں مقیم رہ کر اس کی اوریجنل لغت اور زبان سے [redacted] کوشش کی ہے اور بائبل کے "RSV" "کنگ جیمز" کے نسخے حرفاً" حرفاً" پڑھے [redacted] کا انسائیکلو پیڈیا بھی۔ کرسچن سکالرز کے خیالات [redacted] اور کرسچن دانشوروں کے بائبل کے بارے [redacted] طویل تمہید کے بعد آج ہم عام افراد [redacted] دانشوروں کے خیالات مسیحیت [redacted] کریں گے۔

دلآزاری نہ ہو۔

1- سیاسی اور اقتصادی معاملات کے متعلق بائبل کی تعلیم افسوسناک حد تک مبہم اور غیر واضح ہے۔ انجیل کے ذریعے آپ جس چیز کی چاہیں حمایت کر سکتے ہیں اور اسے مسیحؑ کی تعلیم ثابت کر سکتے ہیں خواہ وہ غلامی ہو' اذیت رسانی ہو یا زندہ جلا دینا۔ (پروفیسر جوڈ)

2- چاروں اناجیل یعنی متی' مرقس' لوقا' یوحنا ایک دوسرے کی کھلی تردید کرتی ہیں (رینان)

3- میں نے عہد نامہ جدید میں 30 ہزار اختلافات شمار کئے (جرمن ڈاکٹر میل)

4- نہیں اناجیل میں مزید تحقیق سے میں نے دس لاکھ اختلافات پائے ہیں (جان جیمز)

5- کاش! پیار محبت کی تعلیم دینے والے مسیح کی زندگی کا ایک واقعہ بھی انجیل میں ایسا مل جاتا کہ انہوں نے اپنے مخالفوں سے پیار محبت کا سلوک کیا ہو۔ (کلاڈ مونٹے فور)

6- لیکن جو چیز اس سے بھی زیادہ افسوسناک ہے وہ حضرت عیسیٰؑ کا وہ کیریکٹر ہے جو اناجیل پیش کرتی ہیں (گڈ اینڈ ایول' جوڈ)

7- اگر میرے جھوٹ کے سبب سے خدا کی سچائی اور جلال ظاہر ہو تو میں گناہ گار کیوں؟ (سینٹ پال' بقول مائیکل ہارٹ مسیحیت کا اصل بانی) پال کا یہ قول بائبل میں موجود ہے۔

8- دراصل شروع میں 34 انجیلیں تھیں جنہیں لوگوں کی زبانی روایات کے ذریعے مرتب کیا گیا تھا۔ (انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا) ان میں سے چار کو چن لیا گیا اور 30 کو نہ جانے کیوں چھوڑ دیا گیا!

9- عیسیٰؑ اور آپ کے حواریوں کی زبان آرامی تھی لیکن اناجیل یونانی زبان میں لکھی گئیں۔ یروشلم کے ایک شخص نے لوگوں سے سن کر مسیحؑ کی بائیو گرافی لکھی۔ یہی انجیل ہے۔ (سپنگلر)

10- انجیل میں جس قسم کا اخلاقی ضابطہ دیا گیا ہے اسے کسی معاشرے میں نافذ کر دیا جائے تو نتیجہ فوری موت کے سوا کچھ نہ ہو گا (پروفیسر وائٹ ہیڈ)

11- 325ء میں یونانی زبان کی 34 اناجیل حواریوں کے 113 خطوط (قسطنطین اعظم کی دہشت تلے) نیقیہ Nicaea کی کونسل میں پیش ہوئے۔ رات بھر اس لٹریچر کو فرش پر بکھیر دیا گیا۔ صبح ہوئی تو کچھ کتابیں اور خطوط میز کے اوپر رکھے تھے۔ یہی وہ چار انجیلیں اور چند خطوط ہیں جنہیں مقدس سمجھ لیا گیا۔ (ریورینڈ آئزک بوائل)

12- عیسائیت میں صرف عقیدے کی تبلیغ سے نہ کہ اخلاق اور اعمال کی' بس اتنا کہنے سے کہ مسیحؑ میری خاطر ملعون و مصلوب ہوئے انسان تمام ذمہ داریوں سے چھوٹ جاتا ہے۔ (برٹرینڈ رسل)

13- مسیحؑ کی تعلیم میں عملی اخلاقیات اور قوانین کا سراغ تک نہیں ملتا۔ صرف ایک مرتبہ شادی کے بارے میں کچھ فرمایا اور طلاق کی ممانعت کی۔ (موسیو رینان)

14- بہت کم سکالر اس بات سے اختلاف کر سکتے ہیں کہ چوتھی انجیل کسی گمنام تصوف پسند نے 95ء اور 125ء کے درمیان لکھی۔ (ڈاکٹر ڈبلیو۔ آر۔ انج)

15- پہلی انجیل ایک یہودی مرقس نے 64ء میں لکھی۔ (یو سی بس)

16- انجیلیں کیا ہیں؟ 95 فیصد سینٹ پال پال پال وہ پال جو درحقیقت مسیحؑ سے کبھی نہیں ملا۔ (میکن)

17- مسیح کے جی اٹھنے کی شہادت میری میگڈلینی کے سوا کسی نے نہیں دی اور میگڈلینی سے مسیح نے سات بدروحوں کو نکالا تھا۔ (ڈاکٹر مارکس ڈوڈ)

18- ازلی گناہ (اوریجنل سن Original Sin) کا عقیدہ ازلی خرابی ہے۔ (آر ایف جانسن)

19- عیسیٰؑ کا طریقہ علاج معجزاتی نہیں تھا نفسیاتی تھا۔ (ای آر مکلم)

20- کیا یہ حیرت کی بات نہیں کہ مجوسیوں کے متعرا

داستان صدیوں پہلے سے چلی آرہی تھی جو سینٹ پال نے مسیح کے بارے میں گھڑلی وہی بے باپ کی پیدائش، وہی تیسرے دن جی اٹھنا، وہی کفارے کا عقیدہ اور خدا کا میمنا (Lamb)، متھرا کی تاریخ پیدائش بھی وہی ہے 25 دسمبر! اسکندریہ کی لائبریری 390 عیسائیوں نے اس لئے جلائی کہ پال کی تھیولوجی کا بھانڈا نہ پھوٹ جائے۔ وہ لائبریری جس میں متھرا کی کہانی کا حرف حرف عیسیٰؑ کی داستان سے ملتا تھا۔ (جولین ہکسلے) اور (جارج سارٹن)

21- انجیل کو قبول کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اسے عقل کی آنکھیں بند کر کے پڑھا جائے۔ تنقیدی نگاہ رکھنے والے کے لئے انجیل میں انسانی ذہن کی توہین کے سوا اور کیا ہے؟ مذہب کا پیغام ایسا ہونا چاہئے جو عام آدمی بھی سمجھ لے اور ذہین انسان کی عقل بھی اسے قبول کرے۔ (جولین ہکسلے)

22- مسیح کی ابنیت (یعنی خدا کا بیٹا ہونا) تاریخ کا سب سے بڑا افسانہ ہے (لارڈ بشپ آف کنٹربری کمیشن) "چرچ آف انگلینڈ England 1810ء"۔

23- مسیحیت میں پہلے عقیدے قائم کئے جاتے ہیں پھر عقل ادھر ادھر سے ان عقیدوں کے لئے دلائل فراہم کرنے کی کوشش کرتی ہے (کارلائل)

24- خدا کی طرف واپسی کی بنی نوع کو سخت ضرورت ہے لیکن بد قسمتی سے اس بارے میں انجیل کوئی راستہ نہیں دکھا سکتی۔ (برگساں)

25- مسیحی دنیا میں خدا کی بات خدا کے متعلق نہیں ہوتی۔ لوگ خدا کے بارے میں اپنے اپنے تصور کی بات کرتے ہیں۔ (باردیو)

26- مسیحیت میں مظلوموں سے ہمدردی کا اظہار تو مل جائے گا لیکن ظلم کے خلاف کچھ نہیں کہا جائے گا۔ (ڈاکٹر فالٹا ڈی گارسیا)

27- مسیحی عقیدے کی رو سے عورتیں جنت میں نہیں جا سکتیں۔ سوال پیدا ہوا کہ مریم کا کیا بنے گا تو یہ عقیدہ تراش لیا گیا کہ وہ مرد بنا دی جائیں گی۔ (باس ورتھ سمتھ اور سینٹ تھامس)

28- مسیح کی ابنیت یعنی خدا کا بیٹا ہونا، تثلیث Trinity انسانیت کے گناہوں کا کفارہ دینے کے لئے مسیح کا خدا کی بھیڑ بن جانا اور اپنی جان دے دینا عیسیٰؑ کی تعلیم نہیں۔ یہ سب سینٹ پال کی ایجادیں ہیں۔ وہ سینٹ پال جو درحقیقت عیسیٰؑ سے ملا تک نہیں۔ (ہیسٹنگز)

29- عیسائیت شکست خوردوں کا مذہب ہے۔ ایک مذہب جہاں کوئی شے قابل اعتماد نہیں۔ (ڈورسی)

30- حق و باطل اور عدل و انصاف سے عیسائیت کی روح یکسر بے حس ہے۔ (ڈاکٹر فالٹا)

31- مسیحیت نہیں بنی نوع انسان کی فلاح کے لئے ہمیں صاحبؑ قرآن کی طرف دیکھنا ہو گا۔ (لوئی ممفورڈ)

32- تہذیب ایک خطرناک دوراہے پر کھڑی ہے۔ انسانیت کی بقا کے لئے بائبل محکم بنیاد فراہم نہیں کر سکتی۔ (لارڈ سیتھ)

33- بائبل کی رو سے عالمگیر مذہب قائم نہیں ہو سکتا نہ بنی نوع انسان امت واحدہ بن سکتی ہے۔ (ایرک فروم)

34- عیسائیت نے کتنے لوگوں کو زندہ جلایا جنہوں نے کہا تھا کہ زمین سورج کے گرد گھومتی ہے۔ انسان کی تخلیق صرف چھ سات ہزار سال پہلے ہوئی۔ یہ بات آپ صرف گرجا میں پڑھا سکتے ہیں۔ حوا آدم کی پسلی سے پیدا ہوئی تو عورت کے حق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ گیلیو جیسے عظیم سائنسدان کو زمین کی گردش بیان کرنے پر صرف بائبل کے پجاری نظربند کر سکتے ہیں اور نظام شمسی کو درست لیکن بائبل کے خلاف بیان کرنے پر کوپر نیکس جیسے عظیم فلک شناس کی زندگی جہنم بنا سکتے ہیں (جولین ہکسلے)

35- نیوٹن انجیل پڑھتا تھا۔ اگر وہ انجیل پر [illegible] کبھی سائنس دان نہ بنتا۔ (لارڈ [illegible])

36- عیسائیت میں اعمال پر بھروسہ [illegible] پھر اچھے اعمال کیسے کئے جائیں [illegible]

37- اگر مسیح تمہیں گناہ [illegible]

بڑا ظلم کیا ہے۔ (مارک اٹلی)

38- بائبل قدم قدم پر سائنس سے ٹکراتی ہے وہی سائنس جو قدم قدم پر قرآن کی سچائی کی شہادت دیتی ہے۔ (ڈاکٹر موریس بوکے)

39- عیسائیت کا خدا کیا بے بس خدا ہے کہ اپنے بیٹے کا خون بہائے بغیر انسان کی بخشش نہیں کر سکتا۔ (لینن)

40- دنیا کا سب سے مشکل حساب کا سوال یہ ہے کہ خدا ایک میں تین بھی ہے اور تین میں ایک بھی۔ (نطشے)

اسلام کی سچائی کا سائنسی ثبوت

فاش گویم آں کہ در دل مضمر است
ایں کتابے نیست چیزے دیگر است
(جو بات دل میں ہے وہ صاف کہتا ہوں آج کہ یہ کتاب القرآن چیز ہی کچھ اور ہے)

صاحبو! گذشتہ باب میں بائبل کا کچھ ذکر مسیحی مفکروں اور دانشوروں کی زبانی آپ نے سنا۔ آج قرآن کریم کے بارے میں کچھ ملاحظہ فرمایئے لیکن وہ بھی فرانس کے ایک مایہ ناز مسیحی ڈاکٹر اور سائنس دان کی زبانی۔ بو کے نام ہے ان کا موریس بوکے Dr. Maurice Buccaile- انہوں نے 1970ء کی دہائی میں فرانسیسی زبان میں اپنی مشہور زمانہ کتاب لکھی تھی۔ "بائبل' قرآن اور سائنس" اس کتاب کے ترجمے دنیا کی کئی زبانوں میں ہو چکے ہیں۔ کتاب کا موضوع ہے کچھ ایسی ہی بات جو او سپنسکی نے کہی تھی' "اگر کوئی سائنس قرآن کو جھٹلائے تو وہ باطل ہو گی" اور جیسا گوئٹے نے کہا تھا "انسان (اور انسانی دماغ) قرآن سے آگے جا ہی نہیں سکتا"۔ اللہ کا فرمان ہے کہ قرآن کا نور ہدایت ان تمام چیزوں' نعمتوں اور خزانوں سے افضل اور قیمتی ہے جنہیں تم جمع کرتے ہو۔ 10:58 آج ہم اس معجز بیان کلام پاک کے صرف ایک گوشے کی درخشاں کرنیں آپ کو دکھائیں گے۔ بلکہ یوں کہئے کہ ڈاکٹر بو کے آپ کی خدمت میں حاضر ہیں۔ وہ کہہ رہے ہیں:

○ میں نے عربی لغت اور قدیم زبان عربی خاص طور سے اس لئے سیکھی تاکہ میں قرآن کو بلاواسطہ سمجھ سکوں۔

○ میری دلچسپی کا محور ہمیشہ یہ بات رہی کہ دیکھا جائے کہ آسمانی کتابوں میں جو سائنس سے متعلقہ بیانات ہیں وہ کس حد تک سچے ہیں۔ سائنس کے مفروضوں یا تھیوری کی بات نہیں بلکہ سائنس کے مسلمہ اصول ان کتابوں میں کس حد تک اور کس طرح پائے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر بو کے کہتے ہیں۔

○ جب ہم بائبل کو مسلمہ سائنس کے آگے رکھتے ہیں تو قدم قدم پر تضادات اور غلطیاں ذہن میں کھٹکنے لگتی ہیں۔ بائبل کے مفسر لفظی بازی گری سے ان نقائص کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔

صاحبو! اس بیان کے بعد ڈاکٹر بو کے ان تضادات اور غلطیوں کی تفصیل بیان کرتے ہیں لیکن آج ہم یہ تفصیل پیش نہیں کریں گے۔ آج دیکھنا یہ ہے کہ قرآن کریم کے بارے میں یہ بلند پایہ سائنس داں اور مسیحی مفکر کیا کہتا ہے؟ (ہماری اپنی ریسرچ جو اس موضوع پر ہے اسے بھی پیش نہیں کیا جائے گا) آج موضوع ہے "بائبل' قرآن اور سائنس"۔ ریسرچ اور خیالات ہیں ایک غیر مسلم ماہر کے جو سرجن بھی ہیں' مورخ اور مذہبی سکالر بھی۔ اب دیکھئے کتاب کے کچھ اقتباسات۔ ڈاکٹر مورس بو کے لکھتے ہیں:

1- جب میں نے قرآن پر ریسرچ شروع کی تو مجھے یہ تجربہ ہوا کہ نصاریٰ کے بعض حلقوں میں تعصب کا یہ عالم ہے کہ قرآن کی کوئی بات نقل کرنا ایسا ہی ہے جیسا شیطان کا حوالہ دینا۔

2- اس کے بالعکس قرآن میں مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ پہلے صحیفوں اور پیغمبروں پر ایمان لائیں۔

3- انجیلوں کا مقابلہ صرف حدیثوں سے کیا جا سکتا ہے کیونکہ انجیلیں عیسیٰؑ کے بعد اور حدیثیں محمدؐ کے بعد لکھی گئیں۔ (مولوی عبیداللہ سندھی نے بھی یہ بات کہی تھی)

4- مسیحیت میں کوئی متن یا کتاب ایسی نہیں جو خدا کی طرف سے نازل ہوئی ہو اور اسے لکھا لیا گیا ہو اسلام میں قرآن وہ کتاب ہے جو استناد کی اس شرط کو پورا کرتی ہے۔

5- سائنس کے متعلق بائبل میں تھوڑے سے بیانات ہیں لیکن وہ سائنس سے قدم قدم پر ٹکراتے ہیں۔ سینٹ آگسٹین نے گرجا کو نصیحت کی تھی کہ بائبل میں جو چیز سائنس کے خلاف ہو اسے باہر کیا جائے لیکن کسی نے اس کی نصیحت پر کان نہ دھرا۔

6- قرآن مجید میں سائنسی نوعیت کے ارشادات بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ اس کتاب میں ایک بھی بیان ڈھونڈے سے نہیں ملتا جو مسلمہ سائنسی اصولوں سے ٹکراتا ہو۔ اس بات نے مجھے حیران کر دیا!

7- بائبل کے اعتبار سے آدم کی تخلیق 3700 ق۔ م میں ہوئی۔ یہ بات آج آپ صرف گرجا میں پڑھا سکتے ہیں۔ قرآن اس غلط بیانی سے پاک ہے۔ آج بچہ بھی جانتا ہے کہ آدم کی تخلیق بہت پرانی بات ہے۔

8- اسلام میں مذہب اور سائنس کی حیثیت ہمیشہ دو جڑواں بہنوں کی سی رہی ہے لہٰذا اسلامی تمدن کے دور عروج میں سائنس نے حیرت انگیز ترقی کی جس سے مغرب نے استفادہ کیا۔

9- بائبل کے مطابق سورج کے وجود میں آنے سے پہلے زمین میں سبزہ پیدا ہو گیا تھا! یہ بات سائنٹفک اعتبار سے غلط ہے۔ سورج کی روشنی کے بغیر سبزہ کیسے پیدا ہو سکتا ہے! اور یہ غلطی آپ کو قرآن میں نہیں ملے گی۔ (یاد رہے کہ یہ سب باتیں کرسچن ڈاکٹر بو کے کہہ رہے ہیں)

10- ارتقاء کے ثابت شدہ اصولوں سے معلوم ہو چکا ہے کہ زمین پر پہلے چوپائے پیدا ہوئے اور پرندے ان کے بعد وجود میں آئے۔ بائبل یہاں بھی غلطی کرتی ہے جب عالم حیوانی کی ابتدا سمندری جانوروں اور پرندوں سے قرار دیتی ہے۔ قرآن میں آپ کو یہ غلطی نہیں ملے گی۔

11- بائبل کے مطابق طوفان نوح 2100 ق۔ م میں برپا ہوا جس سے صرف انسان ہی نہیں زمین کی سب جاندار مخلوق فنا ہوئی۔ حالانکہ یہ بات ثابت ہے کہ اس دوران مصر، بابل، چین اور جنوبی امریکہ میں تہذیبیں پھل پھول رہی تھیں۔ قرآن کے مطابق طوفان نوح صرف نوحؑ کی قوم پر برپا ہوا تھا۔ تاریخ اور آثار قدیمہ کے شواہد سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ دجلہ و فرات کی طغیانی تھی جہاں قوم نوح آباد تھی۔

12- متی اور یوحنا کی انجیل میں عیسیٰؑ کے آسمان پر اٹھائے جانے کا کوئی ذکر نہیں۔ لوقا نے اپنی انجیل میں قیامت یا حشر کے دن عیسیٰؑ کا اٹھنا بیان کیا ہے۔ اور مرقس نے اس انداز سے رفع مسیح کا ذکر کیا ہے جو آج قطعی غیر مستند سمجھا جاتا ہے۔ البتہ "رسولوں کے اعمال" میں صلیب کے چالیس دن بعد اٹھائے جانے کا ذکر ہے جو بڑی غیر سائنٹفک بات ہے۔ قرآن یہ غیر سائنٹفک بات یعنی مسیحؑ کا جسم کے ساتھ رفع بیان نہیں کرتا۔ اگر خدا بلندیوں میں بھی ہے اور پستیوں میں بھی تو مسیحؑ کا آسمان کی طرف اٹھنا سمجھ میں ہی نہیں آتا۔ کیا خدا آسمان پر بیٹھا ہے؟

13- گیلیلیو پر اس لئے مقدمہ چلایا گیا کہ اس نے زمین کی گردش کے بارے میں کوپر نیکس کے نظریئے کو مان لیا تھا۔ یہ نظریہ قرآن کے مطابق ہے جبکہ بائبل کے مطابق زمین ٹھہری ہوئی ہے اور سورج چاند ستارے اس کے گرد گردش کر رہے ہیں۔

14- نصاریٰ کو یاد ہی نہیں کہ آٹھویں اور بارھویں صدی عیسوی کے درمیان یورپ سے کھنچ کر طلباء قرطبہ جایا کرتے تھے۔ اسی طرح جیسے آج آگے پڑھنے کے لئے امریکہ جاتے ہیں۔ عربوں کا ہم پر بڑا احسان ہے کہ انہوں نے ہمیں تمدن اور علم عطا کیا۔ ریاضی، فلکیات، ارضیات، نباتات، طبیعات، طب، الجبرا وغیرہ۔

15- میں نے دیکھا ہے کہ یورپ و امریکہ کا مادہ پرست دہریہ جو عام معلومات بھی کم رکھتا ہو اسلام کے حق میں تعصبات کا بڑا ذخیرہ اپنے پاس لئے پھرتا ہے۔

16- سائنسی معاملات میں قرآنی عبارتوں کا ترجمہ اور تفسیر مسلمانوں نے نہایت خراب اور ناقص کیا ہے۔

ہے کہ جدید دور کے مترجم اور مفسر پرانی تفسیروں کو سوچے سمجھے بغیر قبول کر لیتے ہیں۔

17- قرآن سمجھنے کے لئے زبان سے واقفیت کافی نہیں۔ اپنے دور کی سائنس کا علم ہونا ضروری ہے۔ عربی میں عالم کہتے ہی سائنس دان کو ہیں اور قرآن کے مطابق علماء وہ ہوتے ہیں جو آسمانوں' بادلوں' برسات' دوران آب' علم نباتات' ارضیات' پہاڑوں' حیوانیات جیسی سائنس اور علوم پر غور کر کے خدا کی عظمت کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ 35:28

18- تخلیق کائنات کے وقت بائبل کے مطابق خدا کی روح پانی پر جنبش کر رہی تھی۔ قرآن فرماتا ہے نہیں۔ محض دھواں تھا یعنی نہایت چھوٹے ذرات پر مشتمل گیس کا ایک مرغولہ۔ جدید سائنسی تحقیق قرآن کے بیان کو ثابت کرتی ہے۔

19- کئی جگہ "زمین اور آسمانوں کے درمیان" کا ذکر آیا ہے مثلاً 20:6 اور 25:59, 32:4 امریکہ کی خاص دوربین ماؤنٹ ولسن نے حال ہی میں دریافت کیا ہے کہ زمین اور آسمانوں کے درمیان کہکشانی مادے کی کثیر مقدار بکھری پڑی ہے۔

20- بائبل سورج اور چاند کو عظیم تر اور کم تر روشنی کہہ کر آگے بڑھ جاتی ہے۔ قرآن سورج کو "سراج" یعنی چراغ کہتا ہے اور چاند کو "منیر"۔ چراغ کی روشنی اپنی ہوتی ہے اور منیر جو روشنی سے چمکتا ہو۔ 78:12, 71:15-

21- سورج چاند اپنے اپنے مداروں پر چل رہے ہیں۔ یا اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں۔ 36:40, 21:33 یہ ہے قرآن کا ارشاد! 1400 برس پہلے خدا کے سوا کون یہ بات کہہ سکتا تھا؟

22- "اللہ رات کو دن پر لپیٹتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے" (39:5) یہ زمین کی گولائی کا پہلا زبردست بیان ہے۔ "یکور" کے لفظ سے گیند اور کرۂ صاف ظاہر ہوتا ہے۔ خلابازوں نے بلندی سے رات کو دن پر اور دن کو رات پر لپیٹے جانے کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور تصویریں بھی لی ہیں۔

23- قرآن 70:40 مشرقوں اور مغربوں کا ذکر کرتا ہے۔ آج بھی کتنے لوگ جانتے ہیں کہ سورج کا طلوع اور غروب موسم کے حساب سے مختلف نقطوں پر ہوتا ہے؟ محمدؐ کو یہ کس نے بتایا؟

24- سورۃ 51:47 میں کائنات کے وسیع ہوتے جانے کا ذکر ہے جو جدید سائنس کے عین مطابق ہے۔

"آسمان کو ہم نے اپنے زور سے بنایا ہے اور ہم اس میں توسیع کرتے چلے جا رہے ہیں"۔ صاحبو! یہاں ڈاکٹر موریس بو کے لکھتے ہیں کہ کیا 1400 برس پہلے جزیرہ نمائے عرب کے کسی باشندے کے ذہن کے قریب سے بھی ایسا خیال گزر سکتا تھا؟ یہ اتنی بڑی بات ہے کہ 20 ویں صدی کے مسلمان مفکر بھی صاف صاف مفہوم کہنے سے جھجکتے ہیں۔ ایک مشہور مترجم نے تو اس آیت کا ترجمہ کرتے ہی سوالیہ نشان لگا دیا ہے۔ سائنسی طور پر یہ بات قطعی ثابت ہو چکی ہے کہ کائنات ہر لمحہ وسیع تر ہوتی جا رہی ہے۔ (امریکی ماہر فلکیات ایڈون ہبل 1929)

25- افلاطون سے لے کر سنیکا اور رینے ڈیکارٹ اور دیگر مفکروں اور سائنس دانوں نے دوران آب "Water Cycle" کے بارے میں جو جو خیالات پیش کئے تھے قرآن کریم نے ان سب کی اصلاح کر ڈالی 50:9, 23:18, 15:22, 35:9, 30:48 اور دیگر بہت سی آیات میں بارش' پانی زمین میں جذب ہونا' چشمے پھوٹنا' دریا بہنا' آبی بخارات کا اوپر اٹھنا' بادل بننا ہر چیز' ہر مرحلہ جدید سائنس سے اتنا ہم آہنگ ہے کہ عقل عش عش کر اٹھتی ہے!

صاحبو! فرانس کے مسیحی اسکالر ڈاکٹر اور سائنٹسٹ کے انکشافات ابھی مکمل نہیں ہوئے۔ آئندہ قسط کا انتظار فرمایئے۔ رائے سے نوازتے رہئے۔

سائنسی ثبوت اور کچھ تبصرے

بے خبر تو جوہر آئینہ ایام ہے
تو زمانے میں خدا کا آخری پیغام ہے

زیادہ عرصہ کی بات نہیں ایک شاعر نے ایک مصنف کی

کتاب پر تبصرہ کیا "آپ کی تحریر میں مشق کی کمی اور اشغال کی زیادتی صاف محسوس ہوتی ہے"۔ مصنف صاحب وزارت کی کرسی پر فائز تھے لہٰذا دم دبا کر بیٹھ گئے لیکن کراچی کے ایک مشہور مزاح نگار نے حساب برابر کیا "اور جناب شاعر کی کاوشوں میں مشق کی زیادتی اور اشغال کی کمی نظر آتی ہے"۔

صاحبو! ایک عنوان پر لکھتے لکھتے۔ یہ فیصلہ آپ فرمائیں کہ اس سلسلہ مضامین میں مشق اور اشغال میں توازن نظر آتا ہے یا نہیں؟ علامہ اقبالؒ کے دو مصرے پیش کرنے کی سعادت حاصل کرنے دیجئے۔

1- نقش ہیں سب ناتمام خون جگر کے بغیر
2- جگر خوں ہو تو چشم دل میں ہوتی ہے نظر پیدا

ہم نے عنوان بالا خون جگر ہی سے لکھا ہے صاحبو! اور ہم بارگاہ خداوندی میں سجدہ ریز ہیں کہ بے شمار افراد نے اس تحریر کو مفید، علم افزا اور رہنما قرار دیا ہے۔ ان قابل احترام قارئین میں خواتین بھی ہیں، حضرات بھی، مسلم بھی، یہود بھی، ہنود بھی، بزرگ بھی اور نو عمر بھی، مسیحی بھی۔ امریکہ اور یورپ ایشیا میں خصوصاً اور دنیا بھر میں عموماً مسیحیت کی تبلیغ ہر سطح پر اور بڑے پیمانے پر ہو رہی ہے۔ عام انسانی خواہش ہے کہ وہ اپنے عقیدے کا پرچار کرنا چاہتا ہے۔ پروفیسر وہائٹ ہیڈ نے بہت اچھی بات کہی ہے کہ "معمولی باتوں کا مشاہدہ کرنے کے لئے غیر معمولی دماغ چاہئے"۔ ہوتا یہ ہے کہ انسان جس ماحول اور عقیدے کے تحت پروان چڑھتا ہے غیر ارادی طور پر ان راہوں پر ایسے ہی چلتا جاتا ہے جیسے غیر ارادی طور پر سانس لیتا ہے۔ وہائٹ ہیڈ کا کہنا ہے "صرف اسی فرد کی شخصیت ترقی کر سکتی ہے جو اپنے ماحول اور عقیدوں کو تنقیدی نگاہ سے دیکھے"۔ علامہ اقبال نے اسی بات کو کہیں خوب تر انداز میں فرمایا

حیات جاوداں اندر ستیز است

(یعنی حیات جاوداں چاہتے ہو تو تمہیں مروجہ افکار اور اپنے عقائد سے لڑنا پڑے گا۔)

تعصب سے پوری طرح آزاد ہونا انسان کے لئے بہت مشکل ہوتا ہے لیکن ہم نے یہ سلسلہ مضامین امکان بھر دیانت داری سے لکھا ہے اور اس بات کا اعتراف مسیحی قارئین نے بھی کیا ہے۔

گذشتہ قسط میں فرانس کے مسیحی اسکالر سرجن اور سائنس دان ڈاکٹر موریس بو کے کی تحقیق کے کچھ اقتباسات آپ تک پہنچائے تھے۔ 25 نکات تک پہنچے تھے ہم۔ اب آگے چلتے ہیں۔

26- "بائبل، قرآن اور سائنس" میں ڈاکٹر بو کے لکھتے ہیں کہ قرآن کریم نے اس زمانے میں میٹھے اور کھاری پانی کے درمیان آڑ یا برزخ کا ذکر کیا جب دنیا میں کوئی سائنس داں اس بات سے واقف نہیں تھا۔ آیات (55:19, 25:53) دنیا کے کئی دریاؤں اور سمندروں میں میٹھے اور کھاری پانی کی دیوار اتنی صاف طور پر مشاہدے میں آتی ہے کہ آپ کشتی میں سفر کر رہے ہوں تو دائیں جانب کا پانی میٹھا ہو گا اور بائیں جانب کا کھاری۔ اور پھر دونوں پانیوں کے درمیان دیوار۔ یہ دیوار نہ ہوتی تو دریاؤں، ندیوں، جھیلوں، چشموں اور کنوؤں کا پانی سمندر کی طرح نمکین ہوتا! سبحان اللہ!

27- 78:6 اور 21:31 آیات میں اللہ کا فرمان ہے کہ "ہم نے پہاڑوں کو زمین میں میخوں کی طرح گاڑ دیا"۔ زمین کی سطح یا قشر یا بیرونی پرت کو پہاڑوں کے ذریعے زمین سے جوڑا گیا ہے۔ دوسرے الفاظ میں پہاڑوں کی جڑیں یا بنیادیں ہوتی ہیں ایک سے دس میل تک گہری، جدید علم ارضیات حیران ہے کہ 1400ء برس پہلے مکہ کی ایک امی ہستیؐ یہ بات کیسے جان سکتی تھی!

28- قرآن کا ارشاد ہے 6:125 جو شخص اسلام قبول نہیں کرنا چاہتا وہ اسلام کا ذکر سنتے ہی یوں محسوس کرنے لگتا ہے "جیسے اس کا سینہ گھٹ رہا ہو۔ گویا وہ آسمان کی طرف اٹھے جا رہا ہے" مکہ کے صحرا میں اور مدینہ کی وادی میں زیادہ بلندی پر پرواز کرتے ہوئے دم گھٹنا سینہ تنگ محسوس ہونا کوئی کیسے جان سکتا تھا! اور یہ کہ بلندی پر آکسیجن کم ہو جاتی ہے

29- سورۃ 21:30 میں جو ارشاد ہے کہ ہم نے ...

سے پیدا کی ہے۔ آج کی سائنس کے مطابق سو فیصد درست ارشاد ہے۔ خواہ اس کے معنی یہ لئے جائیں کہ زندگی کی ابتداء پانی سے ہوئی یا یہ کہ ہر زندہ چیز کے لئے پانی لازمی ہے۔

30- سورۃ 20:30 "اور اللہ نے.... نباتات کے جوڑے پیدا کئے"۔ پھولوں کے زر اور بیضہ دانوں سے اس زمانے میں کون واقف تھا؟

31- صاحبو ! موسیٰؑ کے زمانے کا فرعون 1300 ق- م کے قریب بنی اسرائیل کا تعاقب کرتے ہوئے ڈوب گیا تھا۔ بائبل اس کے غرق ہونے کا ذکر کرتی ہے لیکن قرآن میں ایک ایسا ارشاد ہے جس نے ایک سو برس سے مغربی سکالرز کو حیران کر رکھا ہے ! 1898ء کی بات ہے مصر میں بادشاہوں کی وادی "Valley of Kings" میں ماہرین آثار قدیمہ نے ایک حنوط شدہ جسم یعنی "ممی" دریافت کی۔ یہ ممی آج بھی مصر کے عجائب گھر میں سجی ہوئی ہے اور یہ "ممی" ہے رعمسیس ثانی کے بیٹے مرنفتاح کی۔ مرنفتاح وہی فرعون ہے جو موسیٰؑ اور بنی اسرائیل کے تعاقب میں ڈوب گیا تھا۔ جون 1976ء میں ڈاکٹر موریس بوکے نے مصری حکومت کی اجازت سے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ اس ممی کا تفصیلی معائنہ کیا۔ اندرونی معائنے سے ظاہر ہوا کہ یہ شخص انتہائی دہشت کے عالم میں پانی میں غرق ہو کر مرا تھا!

اب ملاحظہ فرمائیے قرآن حکیم کا ارشاد : سورۃ یونس 10:92-

"آج ہم تجھے تیرے جسم میں بچا لیں گے تاکہ تو آنے والی نسلوں کے لئے نشان عبرت بن جائے"۔

صاحبو' ڈاکٹر موریس بوکے کی تحقیق کے کم از کم 25 نکات ہمیں صرف طوالت کے خوف سے چھوڑنے پڑے ہیں۔ نباتات' بایولوجی' رحم مادر میں بچے کی تخلیق' فزیو لوجی' فلکیات اور دیگر سائنسی موضوعات پر ڈاکٹر بوکے کے نتائج اہل عالم کو اور خصوصاً مسیحی برادری کو پکار پکار کر کہتے ہیں "دیکھو ! غور کرو' الکتاب پر جو صرف کتاب نہیں چیزے دیگر ہے"۔

1- مسیحی برادری نیویارک نے ایک خط میں لکھا ہے "آپ کے اس سلسلہ مضامین سے ہم پہلی بار سمجھے ہیں کہ اسلام کو دین اور نظام حیات کیوں کہا جاتا ہے"۔

2- فلاڈیلفیا سے مسیحیوں کا ارشاد ہے کہ دین و دنیا کیسے ایک ہو سکتے ہیں یہ پہلی بار ہماری سمجھ میں آیا ہے ورنہ ہمیں تو یہی سکھایا جاتا ہے کہ خدا کا معاملہ خدا کے ساتھ اور قیصر کا معاملہ قیصر کے ساتھ۔

3- کیلیفورنیا' یہ بات تو ہم پہلے سے سمجھتے تھے کہ مذہب کو تلوار کے ذریعے دلوں میں نہیں اتارا جا سکتا۔ آپ کے مضامین میں یہ بات اور واضح ہو گئی اور تلوار سے پھیلنے کا الزام تو مسیحیت پر بھی ہے۔

4- کینیڈا سے ایک مسیحی بھائی لکھتے ہیں "ڈاکٹر صاحب ! ہمیں آپ کی کم علمی پر افسوس ہوتا ہے آپ کو چاہئے کہ کچھ مطالعہ کریں"۔

5- ناروے سے ایک مسیحی خاتون لکھتی ہیں' آپ نے بہت اچھا کیا کہ اپنی تحریر میں مغربی سکالرز کے حوالے دیئے۔ اتنی غیر جانبداری سے اسلام کی خوبی اور کسی طرح اجاگر نہیں ہو سکتی تھی۔

6- شکاگو سے ایک گمنام پیغام ٹیلی فون پر ریکارڈ کروایا گیا "خیریت اسی میں ہے کہ امریکہ میں رہنا ہے تو نماز روزہ کرتے رہو' مسجدوں میں اذانیں دو اور اللہ اللہ کرو"۔

7- نبراسکا سے ایک مسیحی خاتون فرماتی ہیں کہ قرآن کا سائنٹفک ہونا میرے نزدیک کوئی شک و شبہ کی بات نہیں رہی۔ یہ پڑھ کر بہت خوشی ہوئی کہ اسلام میں چار تک شادیاں صرف جنگی حالت میں جائز ہیں اور وہ بھی عدل کی شرط کے ساتھ اور قرآن نابالغ بچوں کی شادی کی اجازت نہیں دیتا اور جنت عورتوں کے لئے بھی اسی طرح ہے جیسے مردوں کے لئے۔ بس یہ اور بتا دیجئے کہ اسلام میں گواہی کے لئے ایک مرد دو عورتوں کے برابر کیوں کہا جاتا ہے؟

محترم خاتون ! آپ کی نوازش ! گواہی کے بارے میں

پوزیشن یہ ہے کہ

"(قرض کی دستاویز کے بارے میں) اپنے میں سے دو مردوں کو گواہ کر لیا کرو اور اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جنہیں تم منتخب کرو کہ ان میں سے ایک بھول جائے گی تو دوسری اسے یاد دلا دے گی" 2:282)۔

یہاں یہ غور فرمایئے کہ اولاً "گواہی کے لئے بھی ایک نہیں دو مرد کہے گئے ہیں۔ دوسرے یہ کہ صرف قرض کی دستاویز کا معاملہ ہے۔ لعان وغیرہ اور دیگر معاملات میں ایک عورت کی گواہی کافی ہوتی ہے۔ تیسرے یہ کہ قرآن کی آیت سے صاف ظاہر ہے کہ اگر قرض کا یہ معاملہ عدالت میں گیا تو دوسری عورت کا موجود ہونا بطور گواہ نہیں ہے وہ عدالت سے کچھ نہیں کہے گی بلکہ پہلی عورت اگر بھولے گی تو وہ اسے آپس میں یاد دلا دے گی۔ چوتھی بات یہ کہ عدالتوں کے ماحول میں کٹہرے میں تنہا ایک خاتون کا کھڑے ہونا اسے نروس کر سکتا ہے اور دوسری خاتون کی موجودگی اسے اعتماد فراہم کر سکتی ہے۔

8- صاحبو! مسلمانوں اور دیگر مذاہب کے معزز قارئین سے ہمیں جو تبصرے موصول ہوئے ہیں جی چاہتا ہے کہ ان کا بھی ذکر کیا جائے۔ لیکن صرف تین سوالات کا مختصر جواب پیش خدمت ہے۔ یہ تینوں سوالات اہل یہود اٹلانٹا' ورجینیا اور مانٹریال سے موصول ہوئے ہیں۔

قرآن کے تحت وراثت میں صرف بیٹی کا حصہ بیٹے کے مقابلے میں نصف ہے۔ وہ اس لئے کہ مردوں کو عورتوں کے "قوام" یعنی روزی فراہم کرنے والے قرار دیا گیا ہے۔ ماں اور باپ کا حصہ برابر ہے۔ صرف عورت ہونے کی وجہ سے وراثت میں خاتون کا حصہ کم نہیں ہوتا۔ بیٹی کی شادی ہو گی تو اس کا شوہر اس کی بھی اور اپنے گھرانے کی کفالت کا ذمہ دار ہو گا۔

ابلیس کون ہے؟ ہم سرسید احمد خانؒ کے ارشاد سے متفق ہیں کہ "ابلیس" انسان کی عقل خودبین ہے یعنی اس کی اپنی عقل جو جذبات کی غلام ہو۔

"مقام مومن" کیا ہے؟ مقام آدم سے بلند۔ مقام آدم یہ ہے کہ انسان فطرت کی قوتوں کو مسخر کرے۔ مقام مومن یہ ہے کہ خدائی اقدار کے مطابق زندگی بسر کرتے ہوئے انسان فطرت کی قوتوں کو مسخر کر کے صرف اپنے یا اپنی قوم کے استعمال میں نہ لائے بلکہ پوری بنی نوع انسان کی فلاح کا خیال رکھے۔ اہل مغرب مقام آدم تک پہنچ گئے ہیں۔

مسلمان ہوں یا کرسچن یا دنیا کی کوئی اور قوم' قرآن کی تعلیم کو اپنا کر ہی مقام مومن تک پہنچ سکتے ہیں۔ اور یہ انشاء اللہ عنقریب ہونے والا ہے۔

صاحبو! اسی لئے میں قرآن کا پروانہ ہوں! اور اسی لئے میں کرسچن نہیں ہوں!

ضرورت رشتہ

نیک سیرت' پاکیزہ اخلاق' خوش شکل دو بچیوں کے لئے مناسب رشتہ کی ضرورت ہے۔

ایک بچی = عمر 26 سال' تعلیم B.Sc' Law Graduate ہے اور P.P.C کا امتحان دیا ہوا ہے۔

دوسری بچی = عمر 25 سال Law Graduate اور M.A Political Science کی طالبہ ہے۔

خواہش مند احباب سے گذارش ہے کہ وہ مندرجہ ذیل پتہ پر رابطہ فرمائیں۔

درانی۔ معرفت ادارہ طلوع اسلام' 25 بی' گلبرگ 2' لاہور 54660

یوم آزادی ۲۰۰۰ء ہمارے ساتھ منائیں

ادارہ طلوع اسلام نے ۱۴ اگست ۲۰۰۰ء کے پر مسرت موقع پر مینار پاکستان کے سایہ تلے کتب و پمفلٹس کا سٹال لگانے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس موقع پر علامہ پرویز علیہ الرحمہ کے خطابات ویڈیو پر دکھائے جاتے رہیں گے۔

﴿فرقے کیسے مٹ سکتے ہیں؟﴾

اہل پاکستان کو وقف اضطراب کیے ہوئے اس سوال کے جواب پر مشتمل لٹریچر مفت دستیاب ہوگا۔

شرکت کی دعوت عام ہے

اوقات پروگرام صبح ۱۰ بجے سے رات ۹ بجے تک

الداعی

ایاز حسین انصاری

چیئرمین ادارہ طلوع اسلام لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقطہ نظر

خالد محمود، کویت

پاکستان میں جمہوریت اور زمینی حقائق

وطن عزیز میں 12 اکتوبر کی تبدیلی پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور جمہوریت کی بحالی کے لئے مغربی دنیا کی طرف سے بے پناہ دباؤ ڈالا جاتا ہے اور یہ بھی کہ اگر فوری طور پر جمہوریت بحال نہیں ہو سکتی تو کم از کم بحالی کا شیڈول ہی دے دیا جائے۔ جبکہ سپریم کورٹ کا متوازن اور دور اندیشانہ فیصلہ آچکا ہے تو اس مصنوعی دباؤ میں کمی بھی آچکی ہے۔ بلکہ ملک کے اندر ہی ایک خود کار ریلیف محسوس کیا جا رہا ہے۔

اگر مغربی ممالک کے اس رویہ کا تجزیہ کیا جائے تو دو چیزیں واضح ہوتی ہیں ایک تو یہ مطالبہ مغربی ممالک کے عوام کی طرف سے نہیں ہے۔ بلکہ ان پالیسی ساز اداروں کی طرف سے ہے جو اس تبدیلی کو موجودہ نظام سرمایہ داری اور اس کی بقاء کے خلاف سمجھتے ہیں۔

جمہوریت کی عملی تعریف جس کو عمومی قبولیت حاصل ہے۔ یہ ہو گی کہ "ایک ملک کے تمام لوگ کسی بھی معاملہ کو فائدہ یا نقصان کے حوالہ سے جانیں اور اکثریت اس پر جو رائے رکھے اس پر متفقہ طور پر عمل ہو اور پھر حالات و واقعات میں اگر کسی وقت تبدیلی آجائے تو قانون اور طریقہ کار میں تبدیلی کا [illegible] موجود ہے۔ جو اوپر دیئے گئے جمہوری اصول کے تحت [illegible] عمل پذیر ہو جائے" اور اس کے نتیجہ میں معاشرہ کسی [illegible] جھجکے کے بغیر آگے بڑھتا رہے۔ اس سارے عمل میں [illegible]' قانون ساز اداروں اور عدلیہ کا بھرپور کردار نہایت [illegible] ہے۔ تمام جمہوری ممالک اسی طریقہ کار کو تھوڑی بہت تبدیلی کے ساتھ چلا رہے ہیں۔ اس طرح ریاست کے اقتدار اعلیٰ کا قوت نافذہ کے ساتھ تسلسل برقرار رہتا ہے۔ اس سارے عمل کو اقوامِ عالم کی حمایت صورتِ حقائق سے بالا بالا حاصل رہتی ہے۔

اور اگر دنیا کے کسی حصہ میں جمہوریت کے کرتا دھرتا اپنی غلط کاریوں اور کارکردگی کے اعتبار سے ناکام ہو جائیں اور جمہوری عمل جو دراصل جمہوری نہیں ہوتا کا تسلسل ٹوٹ جائے۔ جیسے کہ پاکستان میں ہوا ہے تو اپنے مخصوص مقاصد کے تحت مغربی جمہوری ملک اس حد تک آگے گئے ہیں بلکہ سچ تو یہ ہے کہ پاکستان کے اندرونی معاملات میں بے جا مداخلت نظر آتی ہے۔ دنیا کے بے شمار ملکوں میں مثلاً الجزائر' جنوبی امریکہ کے کچھ ممالک تقریباً تمام عرب ممالک میں عرف عام والی جمہوریت نہیں مگر یہ ممالک ان کے ساتھ جمہوریت کے لئے کبھی گویا نہیں ہوئے۔

جمہوریت کی بین الاقوامی حمایت کی ایک خاص وجہ یہ ہے کہ نظام سرمایہ داری کا سیاسی نظام جمہوریت ہے۔ جمہوریت کے ذریعہ سرمایہ دار اور صنعتی اقوام باقی دنیا میں اپنے مفادات کے خلاف آنے والی فوری تبدیلی کو کنٹرول کر سکتے ہیں اور نظام سرمایہ داری دنیا میں کچھ اس طرح استوار ہو گیا ہے کہ دنیا کے کسی کونہ میں ایک کوڑی کی کاروباری حرکت کا تجارتی فائدہ نظام سرمایہ داری کے آقاؤں کو پہنچتا ہے۔ دوسری طرف کمیونزم کا سیاسی اور مالیاتی نظام اپنے اندرونی تضادات اور انسانی کو [illegible] سے ناکام ہو چکا ہے۔ "ڈاکٹر مہاتیر محمد (ملائشیا کے وزیراعظم) کے بقول بین الاقوامی مالیاتی نظام اس طرح استوار ہے کہ کوئی

غیر دولتمند قوم یا ملک دولت مند نہیں ہو سکتا"۔ غریب اقوام کو اپنے خون پسینے کے بیشتر محاصل ان اقوام کے حوالے کرنا ہی پڑیں گے۔ اور بسا اوقات یہ صورت حال ایک Vicious Circle کی شکل اختیار کر جاتی ہے۔ یعنی جب کوشش اور محنت کے باوجود ہر آنے والا دن اندھیرا ہی لاتا ہے۔

مغرب کے عوام عمومی طور پر جمہوریت کے قریب رہتے ہیں اس کی وجوہات بھی سیاسی سے زیادہ اقتصادی ہیں۔ عام آدمی کو ضروریات سے محروم ہونے کا خوف نہیں ہوتا۔ لوگوں کو جغرافیائی حدود کے اندر انصاف ملتا ہے۔ کسی کی حق تلفی اس قدر نہیں ہوتی کہ وہ ضروریاتِ زندگی سے محروم ہو جائے۔ اور ساتھ ساتھ مغربی یورپ کا عام آدمی عمل اور حرکت پر یقین رکھتا ہے' جو زندگی کا ایک مثبت رویہ ہے۔ آزاد مگر ذمہ دار پریس معاشرے میں توازن کی کیفیت کے حصول میں اپنا بھرپور کردار ادا کرتا ہے۔ مگر کیا یہ سب کچھ امور کی قبولیتِ عامہ کے Popular Acceptance کے زیرِ اثر ہوتا ہے اور عوام ایک ہجوم کی طرح قوم پرستی کے جذبات کے زیرِ اثر اس ذہانت کی تابعداری کرتے رہتے ہیں ؟

پاکستان میں جمہوری کلچر برطانوی استعمار کے خاتمے کے ساتھ ہی مروج ہوا۔ چونکہ علاقائی تقسیم کی بنیاد ہی علاقائی ووٹ تھا۔ مگر قائداعظم کی وفات کے فوراً" بعد پاکستان کا سیاسی اور جمہوری کلچر طاقتور طبقات کا اکھاڑہ بن گیا۔ طویل مدتی اصلاحات کی بجائے ایڈہاک ازم کے تجربات ہونے لگے۔ جس سے اعتماد اور سچائی کی فضا ختم ہو گئی۔ ہر نیا حکمران ریفارمر اور جانے والا غداری کا مرتکب ٹھہرا اور یہ صورتِ حال ایک مستقل کلچر کی شکل اختیار کر گئی ہے۔ سیاسی یا جذباتی وابستگیوں نے عوام الناس کے سامنے سچائی کو پرکھنے کا کوئی پیمانہ وضع نہ ہونے دیا۔ اس جمہوری کلچر میں اچھی روایات کو جنم نہ دیا گیا بلکہ بدعنوانی اور لاقانونیت ہر آنے والے لمحات میں بڑھتی گئی۔ جس کا لازمی نتیجہ ریونیو میں کمی اور قرضہ میں بے پناہ اضافے کا سبب بنا۔ الزام تراشیوں اور پراپیگنڈہ کا سلسلہ بھی حقائق کو چھپانے کا سبب بنا۔ ذرائع ابلاغ کبھی بھی کل وقتی قابلِ اعتماد ذرائع نہ ثابت ہوئے۔ سچ تو یہ ہے کہ ذرائع ابلاغ نے اپنی حدود کا تعین قومی سوچ کی بجائے ہنگامی اقدار اور کاروبار کی سوچ کے ساتھ کیا۔ تاریکی میں مفاد پرست طبقات نے دھماکے بہت کیے مگر کسی نے روشنی کے لئے ایک شمع بھی نہ جلائی۔ جنرل ضیاء الحق مرحوم نے ایک نئے سیاسی کلچر یعنی بلدیاتی سیاسی کلچر کی ابتدا کی اور ایسی بلدیاتی بنیاد کو جمہوریت کی بنیاد میں تبدیل کیا۔ جس کے نتیجہ میں 1985ء میں جمہوریت کی سمجھوتا ایکسپریس چل پڑی۔ مگر اب کے جو لوگ پارلیمنٹ میں پہنچے وہ بھی آشیرباد اور ریاستی وسائل کے زور پر پہنچے تھے جس کے نتیجہ میں بدعنوانی و لاقانونیت' رشوت ستانی اور کمزور اقتصادی حالت ہی مقدر بنی۔

1988ء ضیاء الحق کی وفات کے بعد جو بھی جمہوری حکومتیں آئیں انہوں نے کبھی بھی ایسی قانون سازی نہیں کی جس کے نتیجہ میں قانون کی بالادستی قائم ہو سکتی۔ دراصل جو بھی لوگ پارلیمنٹ کے ممبر بنے ان میں ایک فی صد لوگ قانون سازی کے عمل سے آشنا تھے زیادہ ممبران الیکشن پر خرچ کی ہوئی دولت کی واپسی اور اس میں اضافہ کے پیچھے لگے رہے۔ آئین کی دفعات 62 اور 63 کے تحت کبھی کسی ممبر کی اہلیت اور کردار کو چیلنج نہیں کیا جا سکا۔

اس سیاسی عمل میں جو چیز دراصل وقوع پذیر ہوئی وہ یہ کہ انتخابات کا عمل سیاستدانوں کے لئے طاقت کے حصول کا ذریعہ بنا۔ عوام کے لئے کبھی قانون سازی نہ ہو سکی۔ سیاستدانوں نے اپنے آپ کو مالا مال کرنے کے طریقۂ کار وضع کئے۔ پاکستانی قوم کو کوئی ریلیف نہ ملا۔ شرحِ خواندگی 30 فیصد سے کم ہی رہی۔ فی کس آمدنی بھی 400 ڈالر سے زیادہ نہ ہو سکی۔ طبی سہولتیں عملی طور پر ڈاکٹر کی پرچی پر لکھی ہوئی دوائیوں سے نہ بڑھ سکی۔ ریلوے اور قومی ایئرلائن تنزل پذیر اور خسارے میں رہی۔ غرضیکہ زندگی کا ہر شعبہ بدعنوانی اور لاقانونیت کی آماجگاہ

بن گیا۔ اور جمہوریت کی معروف تعریف کے مطابق کہ آبادی کی اکثریتی رائے پارلیمنٹ کے فیصلوں میں نظر آئے۔ مگر ایسا کچھ نہیں ہوا۔ شاید ہی کسی پارلیمنٹرین نے کبھی اپنے حلقہ انتخاب کے کسی آدمی سے کسی فیصلہ بارے رائے لی ہو۔ بلکہ وہ انتخاب جیت کر دوبارہ اس وقت رجوع کرتا ہے جب پارلیمنٹ برخاست ہو چکی ہوتی ہے۔ اگر معذرت کے ساتھ یہ کہا جائے کہ 95 فیصد ممبران پارلیمنٹ جمہوریت کے تصور سے بھی واقف نہیں تو یہ درست ہو گا اور جہاں تک اسمبلی کے اندر کارروائی کا تعلق ہے یہ پورے یقین سے کہا جا سکتا ہے ممبران صرف ذاتی استحقاق پر بات کرتے ہیں یا اپوزیشن کے ساتھ "تو تو میں میں" کرتے ہیں۔

سالانہ بجٹ کے موقع پر ہزاروں صفحات پر مشتمل بجٹ کی دستاویز کا پورا مطالعہ وزیر خزانہ بھی نہیں کرتا۔ یہاں انفرادی جرأت اور جمہوریت پر یقین کی کیفیت کا ذکر بے محل نہ ہو گا۔ 12 اکتوبر کو بروز منگل فوج نے اقتدار سنبھال لیا۔ 13 اکتوبر کو صدر پاکستان نے پارلیمنٹ کا اجلاس بروز جمعہ یعنی 15 اکتوبر کے دن بلایا۔ 14 اکتوبر کو فوج نے پارلیمنٹ کا کنٹرول بھی سنبھال لیا۔ مگر تمام پارلیمنٹ کے ممبران میں سے گنتی کا ایک آدمی بھی علامتی طور پر پارلیمنٹ کے سامنے نہیں آیا صرف یہ کہنے کے لئے کہ ہم جمہوریت پر یقین رکھتے ہیں۔ آتے تو تب جب جمہوریت پر یقین رکھتے۔ وہ تو طاقت کے حصول اور اس کے استعمال پر یقین رکھتے ہیں الا ماشاء اللہ۔

پارلیمنٹ کا انتخاب جیتنے کے لئے کیا طریقۂ کار اختیار کیا جاتا ہے۔ پراپیگنڈہ' سیاسی جوڑ توڑ' پیسے کا بے دریغ استعمال اور ڈرامہ سازی۔ ایک چھوٹا سا واقعہ ملاحظہ ہو۔ ایک مخالف حلقہ کو ہمنوا بنانے کے لئے یہ افواہ پھیلا دی کہ جی ٹی روڈ بائی پاس یہاں بنے گا۔ سروے ٹیم اپنا کام کرنے لگی۔ آس پاس کی زمین سونے کے بھاؤ بکنے لگی۔ الیکشن کے بعد بہت سے قصے کہانیوں نے جنم لیا۔ اور بائی پاس کبھی نہ بنا۔

ایک انتہائی اہم نقطہ یہ ہے کہ ایک لمحہ رک کر سوچیں کہ سیاسی جماعتوں کے اپنے اندر کون سی جمہوریت ہے۔ چند ایک جماعتوں کو چھوڑ کر مثلاً جماعت اسلامی اور دوسری چھوٹی جماعتیں۔ بڑی سیاسی جماعتوں مثلاً پی پی پی کا یہ عالم ہے کہ ذوالفقار علی بھٹو مرحوم کے بعد کبھی پارٹی کے اندر انتخابات نہیں ہوئے۔ محترمہ نے تاحیات چیئرپرسن ہونے کا اعلان کر دیا۔ اپنی سیاسی جماعتوں کے اندر کوئی بھی جمہوری قدر نہیں اور فوجی حکومت سے فوری مطالبہ کیا جا رہا ہے جمہوریت بحال کی جائے کیوں؟ صاف ظاہر ہے طاقت کا حصول اور پھر لوٹ مار۔

ماضی قریب میں جب میاں نواز شریف کو بھاری مینڈیٹ ملا۔ تو یہ امید پیدا ہوئی کہ قانون سازی کے راستے میں جو رکاوٹیں ہیں وہ دور ہو گئی ہیں اور اب ملک میں ایسے قوانین بنائے جائیں گے جن سے کمزور طبقات کے حقوق کا تحفظ ہو گا اور مضبوط جمہوری معاشرہ وجود میں آئے گا۔ میاں نواز شریف نے اپنی حکومت کے ابتدائی دنوں میں آئین میں تین عدد ترامیم کیں جو چودہ کروڑ عوام کی بجائے صرف ایک فرد کو مضبوط ترین بنا گئیں۔ وہ فرد خود میاں نواز شریف تھے۔ آئین میں چودھویں ترمیم رات کے پونے ایک بجے پندرہ منٹ کے طویل بحث مباحثے کے بعد منظور کر لی گئی جبکہ دوسری طرف جنوری 2000ء میں ہی وزیراعظم ہندوستان نے آئین میں ترامیم کرنے کے لئے ایک کمیشن ترتیب دیا ہے جو ایک سال کے کے بعد حکمران سیاسی جماعت اور وزارت قانون کو اپنی سفارشات پیش کرے گا اور پھر اگر حکمران سیاسی اتحاد کے اندر سے منظوری ہوئی تو لوک سبھا (پارلیمنٹ) میں بحث و تمحیص کے لئے مسودہ پیش کیا جائے گا۔

پاکستان کی سیاسی جماعتوں کے لئے خاص توجہ کی بات یہ ہے کہ اسمبلی سے پہلے قانون سازی اور پالیسیوں کے معاملات پارٹی کے اندر زیر بحث آئیں اور آگے چل کر وسیع قومی منظر میں زیر بحث آئیں۔ محترمہ بے نظیر بھٹو کے بارے میں یہ عمومی رائے ہے کہ وہ پڑھی لکھی ہیں اور بین الاقوامی اور سیاسی معاملات کا ادراک رکھتی ہیں۔ صرف ایک واقعہ سے ان کی قلعی کھلتی نظر آتی ہے۔ انہوں نے یاسر عرفات کو فلسطین کا صدر بننے پر مبارک باد دی اور فلسطین کا دورہ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ جبکہ صورت حال یہ ہے کہ فلسطین کی سرزمین پر اسرائیلی حکومت کی عسکری حدود کے اندر مغربی کنارے

(West Bank) اور غزہ کی پٹی کے میئر سے زیادہ اختیارات ان کے پاس نہیں ہیں اور پاکستان میں کوئی اسرائیلی مشن نہیں بلکہ پاکستان نے اسرائیل کو ملک کی حیثیت سے تسلیم ہی نہیں کیا ہوا۔ تو اسرائیلی وزیراعظم نے جواباً" کہا کہ "محترمہ کو عقل کے ناخن لینے چاہئیں"۔ اور پھر قومی اسمبلی نے ایک متفقہ قرارداد پاس کر کے اس صورت حال کا ازالہ کرنے کی کوشش کی۔

12 اکتوبر کے اقدام پر کوئی بھی نظر ڈالنے سے پہلے گذشتہ سیاسی دور کے چیدہ چیدہ واقعات کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ 1996ء میں محترمہ بے نظیر بھٹو کی حکومت ان کے اپنے صدر فاروق احمد لغاری نے برطرف کر دی اور بعد میں سپریم کورٹ نے لگائے گئے الزامات کی توثیق بھی کر دی۔ جسے بے نظیر نے حسب عادت ایک کمتر درجہ کی عدالت کہا اور ساتھ میں اشارہ دیا کہ عوام کی عدالت کا فیصلہ اول ہو گا۔ یہاں پر اس بات پر غور کرنا بھی ضروری ہے کہ انتخابات میں منتخب ہو کر آنے والی حکومت ایک شفاف اور بری الذمہ حیثیت کی مالک ہوتی ہے یا یہ تاریخی جدلیات' ردعمل اور عوامی توقعات کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ کیونکہ تقریباً ہر جمہوری حکومت دو تین سال کے عرصہ کے بعد اپنی تمام تر سیاسی حمایت سے محروم ہو جاتی ہے۔ چونکہ سیاسی حکومت طویل المدت پالیسوں کی بجائے ایڈہاک ازم کو فروغ دیتی ہے جس سے مسائل کا عفریت اور سر اٹھاتا ہے اور نتیجتاً" سیاسی حکومتیں مقبولیت عامہ سے ہاتھ دھو بیٹھتی ہیں۔

فروری 1997ء میں الیکشن کا انعقاد ہوا تمام قرض خور اور نادہندگان الیکشن میں حصہ لینے کے لئے موزوں قرار دیئے گئے ابھی اس راز سے پردہ اٹھانا جناب فاروق لغاری یا ملک معراج خالد کا کام ہے کہ ضوابط کی موجودگی میں نادہندگان کیسے الیکشن میں حصہ لینے میں کامیاب ہوئے۔ اگر وہ یہ سچ اگل دیں تو قوم پر ان کا احسان ہو گا۔

الیکشن 1997ء کے فوراً" بعد ہی عدلیہ اور نواز حکومت کا جھگڑا شروع ہو گیا۔ جس کے نتیجہ میں ججوں کے اندر اختلاف ابھر کر سامنے آئے۔ آئینی طریقہ کے بالا بالا چیف جسٹس سجاد علی شاہ کی حیثیت کو متنازعہ قرار دیا گیا۔ ان کا اصلی جرم یہی تھا کہ وہ قانون کی بالادستی قائم کرنا چاہتے تھے۔ آخر توہین عدالت کے کیس کی سماعت کے دوران ایک آرگنائزڈ ہجوم کے ذریعے (جس میں ایم این اے حضرات بھی شامل تھے) سپریم کورٹ اسلام آباد کو کام کرنے سے روک دیا گیا۔ ملک کی اعلیٰ عدالت کی توہین پاکستان کی تاریخ میں اس طریقہ سے کبھی سننے دیکھنے میں نہیں آئی اور اللہ تعالیٰ دوبارہ ایسا دن نہ دکھائے۔ اس توہین عدالت سے بچنے کے لئے نواز حکومت کو آئین میں تبدیلی کرنی پڑی اور ایک جھوٹی خبر چھپوا کر اس وقت کے چیف جسٹس میاں اجمل کو دباؤ کے نیچے لایا گیا۔

نواز حکومت کے شروع کے دنوں میں سیف الرحمٰن کو احتساب بیورو کا چیئرمین بنایا گیا جو کہ خود بنک کے نادہندہ تھے۔ مئی 1998ء میں پاکستان نے بھارت کے ایٹمی دھماکوں کے جواب میں اور عوامی دباؤ کے تحت دھماکے کئے۔ جس کے بعد فارن کرنسی اکاؤنٹ سیز کر لیے گئے۔ اس کے علاوہ چارہ بھی نہ تھا۔ دونوں سیاسی حکومتیں سمندر پار پاکستانیوں کے آٹھ ارب ڈالر میں سے سات ارب پہلے ہی استعمال کر چکی تھیں۔ مگر جو شرمندگی کی بات ہوئی وہ یہ کہ اکاؤنٹس کو بند کرنے کا فیصلہ صدر' وزیراعظم' وزیرخزانہ اور گورنر سٹیٹ بنک نے کیا مگر فیصلہ کرنے اور نافذ ہونے کی درمیانی رات میں تقریباً 200 ملین ڈالر بنکوں سے نکلوا لئے گئے' اور اس پر کوئی انکوائری بھی نہ ہوئی کہ عالم غیب کی یہ خبریں سیاستدانوں کے عزیزوں اور دوستوں تک کیسے پہنچیں۔ نہ کسی پر کوئی الزام لگا بلکہ F.I.A کے سابق ڈائریکٹر کو سیف الرحمان کے بھائی کو کروڑوں ڈالر فارن کرنسی باہر لے جانے پر روکنے کی کوشش پر اپنی نوکری سے نہ صرف ہاتھ دھونے پڑے بلکہ مزید خوف سے وہ فرار ہو کر ملک سے باہر چلے گئے۔ اسی دوران کینیا اور نیروبی میں امریکی سنٹر کو بموں سے اڑا دیا گیا اور ان واقعات کے فوراً" بعد ایک فرد صادق العودہ کو پکڑ کے امریکہ کے حوالے کر دیا گیا جس نے پہلی دفعہ اسامہ بن لادن کا انکشاف کیا۔ اس طرح بڑے بڑے حل طلب مسائل میں ایک اور کا اضافہ ہو گیا۔ اسامہ بن لادن کے حوالے سے ہی افغانستان پر کروز میزائلوں کا حملہ امریکہ کی طرف سے کیا گیا۔ یہ تمام میزائل پاکستان کی سرزمین پر سے گزرے تو حکومت کے سیاسی عہدہ داروں نے اس سچائی سے فوراً" انکار کیا۔ مگر جب انٹیلی جنس بیورو کے چیف نے یہ کنفرم

اطلاع دی کہ دو عدد میزائل پاکستانی علاقہ میں گرے ہیں ایک پھٹ گیا اور دوسرا ویسے ہی گر گیا۔ اس کو نوکری سے نکال دیا گیا۔

سابق چیف آف آرمی سٹاف جنرل جہانگیر کرامت نے اپنے عہدے کی مدت پوری ہونے سے چار ماہ پہلے ایک الوداعی فوجی تقریب جو کراچی غالباً" نیول کالج میں کی گئی' میں ملکی سلامتی کونسل کے قیام کا ذکر کیا۔ تو نواز حکومت ان کے عہدے کی مدت پوری ہونے تک صبر نہ کر سکی اور ان کو قبل از وقت ریٹائر کر دیا گیا۔ جمہوری عمل کے حوالہ سے سندھ کی حکومت کو برطرف کر دیا گیا۔ سرحد اسمبلی میں ٹیپ سے سیاسی تعاون ختم کر دیا گیا۔

ذرائع ابلاغ کے ساتھ سابقہ حکومت کا رویہ زیادہ توجہ کے قابل ہے۔ ایک معروف صحافی نجم سیٹھی کو گرفتار کر کے آئینی مقدمات قائم کئے گئے مگر فوجی اور اعلیٰ عدالت نے ان کو الزامات سے بری کر دیا۔ ان پر الزامات کی اصل وجہ ان کے وہ مضامین تھے جو انہوں نے بدعنوانی اور منی لانڈرنگ کے حوالہ سے شریف فیملی سے متعلق لکھے۔

پاکستان کے سرکردہ اخبار جنگ کو زیر عتاب لایا گیا۔ اخبار نے حکومت کے خلاف کڑے الزامات اور اسی طرح حکومت نے اخبار پر اربوں روپے کے ٹیکس نادہندگی کے الزامات لگائے۔ مگر آخر میں یہ Show Off کیسے ہوا نہ حکومت نے بتایا اور نہ اخبارات نے۔ نواز حکومت کے اچھے کاموں میں موٹروے کی تکمیل بھی شامل ہے۔ لیکن حساب دان کہہ رہے ہیں کہ یہ گھاٹے کا سودا ہے۔ آمدنی اور اخراجات کے اعتبار سے روزانہ 10 سے 12 لاکھ روپیہ کا خسارہ ہوتا ہے۔ اگر ساٹھ ارب روپے سے ملک میں پرائیویٹ یونیورسٹیاں قائم کی جاتیں تو قوم بھی تعلیم یافتہ ہو جاتی اور کہیں زیادہ آمدنی بھی ہوتی۔

یوں ہم چلتے چلتے کارگل پہنچتے ہیں عسکری فتح کو سیاسی شکست میں تبدیل کرنے کا سہرا میاں نواز شریف نے اپنے سر باندھ لیا۔ جنگ بندی کے بعد میاں نواز شریف کی نشری تقریر بھی تاریخ کا حصہ بن چکی ہے۔ جس میں انہوں نے کہا کہ " کارگل سے کوئی راستہ سرینگر کو نہیں جاتا۔ یہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے وزیراعظم اور ان کے معاونین کی اہلیت اور کارکردگی کی پستی کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ پاکستان کے عوام میاں نواز شریف کے تمام قصور شاید معاف کر دیں۔ مگر کارگل کے شہیدوں کے خون کا ضیاع وہ کبھی معاف نہیں کر سکتے۔ تمام زمینی غلطیوں کے ساتھ اس غلطی کے ارتکاب کا منطقی نتیجہ 12 اکتوبر کے اقدام کی شکل میں سامنے آیا۔ پاکستان کے عوام نے مٹھایاں بانٹی اور سکھ کا ایک سانس لیا۔

پاکستان میں جمہوریت کا مستقبل نہایت تابناک ہو سکتا ہے۔ مگر اس سلسلے میں بنیادی غلطی کی گنجائش نہیں ہے۔ بدعنوان اور کرپٹ افراد کو ہر حالت میں اسمبلیوں کے اندر پہنچنے سے روکا جائے۔ ارکان اسمبلی بنیادی اہلیت اس نقطہ کے اردگرد ہو کہ وہ قانون اور قانون کی ضرورت کو سمجھیں۔ آئین تمام افراد پاکستان کو رزق و صحت' تعلیم اور عزت کا برابر کا حق مہیا کرے۔ انصاف کے لئے جج اور گواہ کو تحفظ فراہم کیا جائے۔

مالیاتی توازن کے لئے ہنگامی اقدام کئے جائیں۔ قانون کی بالادستی کے لئے کڑے احتساب کو اختیار کیا جائے۔ پاکستان کے خارجی' جغرافیائی اور ثقافتی حالات ایسے ہیں جو طویل جمہوری عمل کے نتائج کے متحمل نہیں ہو سکتے بلکہ ایسے مواقع پر فوری درست فیصلہ کی ضرورت ہے۔

ملک کے آئینی اور سیاسی ڈھانچہ میں اعلیٰ درجہ کی فوری مشاورت اور فیصلوں کے نفاذ کی صلاحیت ہونی چاہئے۔ ورنہ جمہوری حکومتوں کو برطرف کرنا زمینی حقائق کے عین مطابق ہو گا اور اس صلاحیت کی عدم موجودگی نہ صرف ملک کی اعلیٰ عدالتوں کا وقت برباد کرے گی بلکہ عدالتوں کے اوپر بھی سیاسی فیصلے کرنے کا الزام آئے گا اور وقار مجروح ہو گا مثلاً پی سی او کے تحت ججوں کی حالیہ حلف برداری تو وقت کی اعلیٰ ترین ضرورت تھی۔ مگر آئین کے حوالے سے اس اقدام پر کئی آراء ہو سکتی ہیں۔

پاکستان میں جمہوریت ایک سماجی سیاسی نظام کے طور پر تب ہی ترقی کر سکتی ہے۔ جب اقتصادی حالات درست ہوں' بامقصد تعلیم عام ہو' قانون بالادست ہو اور تمام طبقات کو ایک جیسا تحفظ مہیا کرے اور معاشرہ اسلامی ثقافت کا آئینہ دار ہو۔ آمین۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عاطف طفیل

"دوسروں کو قائل کرنا اور مضبوط انسانی رشتے بنانا سیکھئے"

ہمیں اپنی ذاتی زندگی کو خوشگوار بنانے کے لئے اور اپنے پیشے (Career) میں نمایاں کامیابی حاصل کرنے کے لئے دوسروں کو اپنے حلقہ اثر میں لانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ لوگ ہماری نظر سے دیکھیں اور ہمارے کانوں سے سنیں لیکن یہ اسی صورت میں ممکن ہو گا جب ہم دوسروں کے دل جیت لیں اور ان کے ساتھ مکمل ذہنی و جذباتی ہم آہنگی حاصل کر لیں۔

دوسروں کو اپنے زاویہ نگاہ کے مطابق قائل کرنے کے لئے اور انہیں اپنے حلقہ اثر میں شامل کرنے کے لئے ہمیں اپنی شخصیت میں درج ذیل تبدیلیاں پیدا کرنا ہوں گی۔

1- **حالت اشتعالی اور ذہنی تناؤ کے عالم میں تلخ کلامی سے اجتناب کرنا چاہئے**:- ہم عموماً غصے کی حالت میں آپے سے باہر ہو جاتے ہیں اور پھر دوسروں سے بدکلامی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ ہم سخت الفاظ کے استعمال سے مخاطب کے دل میں گرہ پیدا کرنے کا سبب بنتے ہیں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ اصل حکمرانی وہ ہے جو آدمی غصے کی حالت میں اپنے اوپر کرتا ہے اور اپنے آپ کو آپے سے باہر ہونے سے محفوظ رکھتا ہے۔ رسول مقبولؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ پہلوان وہ نہیں جو اکھاڑے میں اپنے فریق کو ڈھیر کر دے بلکہ پہلوان وہ ہے جو غصے کی حالت میں اپنے آپ پر قابو رکھے۔ غصے میں اگر ہم کمزور لمحے کی قید سے آزاد ہو جائیں اور فوراً" ردعمل کا اظہار نہ کریں تو غصے کے وقتی لمحات ختم ہو جاتے ہیں اور ہم اپنے حواس میں آجاتے ہیں۔

2- **دوسروں کے ساتھ متحمل مزاج اور حلیم الطبع رہنا چاہئے**:- ذہنی و جذباتی دباؤ بے صبری پر ابھارتا ہے اور ہم دوسروں کو وہ کچھ کہہ جاتے ہیں جو اول تو حقیقت کے مطابق نہیں ہوتا اور دوم ہم نارمل حالت میں خود بھی اپنی "کرنی" پر پشیمان ہوتے ہیں۔ اس غیر معتدل حالت میں ہم دوسروں کو قبول کرنے کی بجائے انہیں دھتکار دیتے ہیں اور الفاظ کی بجائے تند و تیز جذبات سے ابلاغ کرتے ہیں اور اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں۔ تحمل و بردباری یقین' امید' دانائی اور محبت کا عملی اظہار ہے۔ صبر و تحمل عدم توجہی نہیں ہے بلکہ یہ تو جذباتی بلوغت کا ثبوت ہے اور اس کا مظاہرہ وہی کر سکتا ہے جو اپنے جذبات پر حکمران ہے اور جس نے اپنے جذبات کو اپنا معبود نہیں بنایا۔ صبر و تحمل اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ تبدیلی کا عمل سست رفتار ہوتا ہے اور دوسروں کو یکایک تبدیل نہیں کیا جاسکتا۔

جب ہم کسی کا انتظار کر رہے ہوتے ہیں یا پھر اپنی اولاد کے احساسات و تجربات سن رہے ہوتے ہیں تو زندگی دراصل ہمیں صبر و تحمل کا درس دے رہی ہوتی ہے جبکہ عین ممکن ہے کہ دوران سماعت دوسرے کام ہماری توجہ کے طالب ہوں۔

3- **انسان اور اس کی کارکردگی میں امتیاز کرنا چاہئے**:- یہ عین ممکن ہے کہ ہمیں کسی شخص کا رویہ پسند نہ آئے اور ہم اس کی غیر معیاری کارکردگی کو قبول نہ کریں لیکن اس کے باوجود ہمیں اس شخص کی ذات کا اثبات کرنے کی حتی المقدور کوشش کرنی چاہئے۔ ہمیں اس کی عزت نفس کو تعمیر

کرنا چاہئے اور پھر اسے مستحکم کرنے پر اپنا پورا زور لگانا چاہئے۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ ہر شخص قابل قدر ہے اور اپنی ذات میں اہم ہے۔ فرمان خداوندی ہے کہ ہر انسان محض انسان ہونے کی حیثیت سے واجب التکریم ہے۔ یہ ہدایت قرآنی ہمارے لئے ہر انسان کو عزت و احترام کا حقدار قرار دیتی ہے۔ جب ہم خلوص دل سے کسی کی عزت کریں گے اور اس کی خلقی و پیدائشی قدروقیمت کو اجاگر کریں گے تو پھر ہم اس کے دل میں اپنی جگہ پیدا کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے اور یوں وہ ہمارے زاویہ نگاہ پر ہمدردانہ غور و فکر پر اپنے آپ کو مائل پائے گا۔

4- **صلے اور نام و نمود کی تمنا سے ماوراء ہو کر خدمت خلق کرنی چاہئے** :- جب بھی ہم صلے اور نام و نمود کی تمنا کے بغیر خدمت خلق کرتے ہیں تو اس سے ہماری عزت نفس مضبوط ہوتی ہے اور ہماری خود داری میں اضافہ ہوتا ہے۔ مزید برآں اس سے ہمیں دوسروں کی قدروقیمت پہچاننے کی بصیرت ملتی ہے۔ دوسروں کو متاثر کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہم صلے کی تمنا کے بغیر ان کی خدمت کریں۔

5- **مثبت عمل کا انتخاب کیجئے** :- ہمیں اپنے ردعمل کا انتخاب سوچ سمجھ کر کرنا چاہئے۔ عموماً ہوتا یہ ہے کہ دوسروں کے رویے اور اعمال ہمیں کنٹرول کرتے ہیں۔ جب ہم اپنے ردعمل کو شعور کی روشنی میں منتخب کرتے ہیں تو ہم درحقیقت اپنے رویوں اور اعمال کی ذمہ داری قبول کرتے ہیں اور دوسروں پر الزام تراشی کرنے یا حالات کو مورد الزام ٹھہرانے کی سعی لاحاصل سے اجتناب کرتے ہیں۔ جب تک ہم اپنی قوت انتخاب کو استعمال میں نہیں لاتے ہم حالات کے زنداں میں مقید رہتے ہیں۔ ہماری حتمی آزادی کا تعین ہماری قوت فیصلہ کرتی ہے۔ اس کا انحصار ہم پر ہے کہ کیسے کوئی شخص یا کوئی چیز ہم پر اثر انداز ہوتی ہے۔

6- **ایفائے عہد کریں** :- دوسروں کے ساتھ کیے گئے اپنے عہد التزاما" پورے کیجئے۔ جس سے جو بھی وعدہ کریں، وہ ضرور پورا کریں۔ عہد و پیمان کرنے سے قبل خوب سوچ سمجھ لیں کہ کیا واقعی ہم اپنا قول نبھا سکتے ہیں لیکن ایک مرتبہ جب عہد کر لیں تو پھر اسے ہر صورت پورا کریں۔

ہماری وعدہ کرنے اور اسے نبھانے کی صلاحیت سے ہمارا اپنی ذات پر اعتماد قائم ہوتا ہے اور ہمیں اپنی راست بازی (integrity) کا یقین ہوتا ہے۔ اس طرح نہ صرف ہم اپنی نگاہوں میں محترم ٹھہرتے ہیں بلکہ دوسرے بھی ہمارے حلقہ اثر میں آجاتے ہیں۔

7- **اپنے دائرہ اختیار کو مرکز توجہ بنانا چاہئے** :- ہم عموماً ان چیزوں کے بارے میں کڑھتے رہتے ہیں جن کے بارے میں ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ مثلاً ہم نامساعد ملکی حالات کا رونا روتے ہیں جبکہ ہم ملکی حالات کو درست کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ ہمیں اپنی توانائیاں اپنے حلقہ اثر پر لگانی چاہئے۔ جہاں ہم کچھ کر سکتے ہیں۔ وہاں تو کچھ کریں، کم از کم وہاں پر تو ہاتھ پہ ہاتھ دھرے منتظر فردا نہ رہیں۔

8- **دوسروں کے ساتھ نرمی و شفقت کا برتاؤ کرنا چاہئے** :- انسان اندر سے بہت حساس اور نازک مزاج ہوتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اس کے ساتھ مشفقانہ سلوک کیا جائے۔ وہ لوگ بھی جو بظاہر بہت سخت گیر اور بے لچک نظر آتے ہیں، جب ان کے باطن میں جھانکا جائے تو ان کے اندر توجہ کا طالب معصوم بچہ نظر آتا ہے۔

دوسروں کے ساتھ مہربانی کا سلوک ہی انہیں ہماری طرف کھینچتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "خدا کی عنایت سے تم ان سے بہ نرمی پیش آتے ہو، اگر تم کہیں کج خلق اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ تمہارے آس پاس سے ہٹ جاتے۔ (آل عمران) اس قرآنی آیت سے معلوم ہوا کہ رسول کریم ﷺ نرم خو اور مہربان طبع تھے اور اگر آپ سخت مزاج اور تنگ دل ہوتے تو لوگ آپؐ سے دور بھاگ جاتے۔

اس لئے ہمیں بھی سیرت النبیؐ کا اتباع کرتے ہوئے اپنے اندر نرمی و شفقت جیسے رحمدلانہ جذبات پیدا کرنے چاہئے۔

9- **حسن ظن رکھئے** :- جب ہم دوسروں سے حسن ظن رکھیں گے تو وہ بھی ہمارے صالح گمان پر پورے اترنے کی کوشش کریں گے۔ ان کی شخصیت کا بہترین و مثبت ترین پہلو ہمارے سامنے آئے گا۔ دوسروں پر لیبل چسپاں کرنا اور انہیں برے برے ناموں سے پکارنا درحقیقت انہیں بند بوتل میں مقید کرنے کے مترادف ہے۔ ان کے مضمر جواہر اور پوشیدہ امکانات کو دیکھنے سے انکار کرنے کے برابر ہے۔ ان کی انسانیت کی نفی کرنا ہے۔ یہ عین ممکن ہے کچھ لوگ ہمارے اعتبار کو ٹھیس پہنچائیں لیکن اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ ہمارا انسانیت پر اعتبار اٹھ جائے۔ ہم اگر دوسروں سے اچھی توقعات وابستہ رکھیں گے تو وہ ہماری توقعات پر پورا اترنے کی کوشش کریں گے۔

10- **اپنا مافی الضمیر بیان کرنے سے قبل دوسروں کی دل کے کانوں سے سننی چاہئے** :- ہمیں اپنا مدعا سمجھانے سے قبل دوسروں کو بھرپور موقعہ دینا چاہئے کہ وہ اپنا زاویہ نگاہ مکمل طور پر بیان کریں۔ مزید برآں ہمیں دوسرے کے زاویہ نگاہ کو اپنا کر چیزوں کو دیکھنا چاہئے۔ یہ صرف جرات' حوصلے اور صبر و تحمل کے بل بوتے پر ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ پیش نظر رہے کہ جب تک لوگوں کو یہ یقین نہ ہو کہ آپ ان کا زاویہ نگاہ پوری طرح سمجھتے ہیں اس وقت تک وہ آپ سے اثر پذیر نہیں ہو سکتے۔

11- **بے باک اور دیانت دارانہ اظہار کو سراہنا چاہئے** :- جب بھی ہمارے سامنے سچ آتا ہے تو ہم اسے دیکھنے سے کنی کتراتے ہیں۔ ہم عموماً بے باک جرات اظہار کی حوصلہ شکنی کرتے ہیں۔ ہم کسی کے دیرینہ جذبات و احساسات کو قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ نتیجتاً" لوگ ہمارے سامنے اپنے خیالات و احساسات کے اظہار میں محتاط ہو جاتے ہیں۔

12- **دوسروں کے احساسات و جذبات سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے** :- ہم عموماً اپنے جذبات اور خاکہ حوالہ کے بندی خانے میں مقید ہوتے ہیں۔ دوسروں سے ہمکلامی کے وقت ہم یا تو انہیں نصیحتیں کرنا شروع کر دیتے ہیں یا پھر ان کے احساسات ذ جذبات کی اپنی تعبیر پیش کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ ہم ان کے احساسات و جذبات کے ماخذ کا کھوج لگانے کے لئے سوالات کی بھرمار کر دیتے ہیں۔ یہ تمام طریقے نفرت و کراہت کا باعث بنتے ہیں اور اس سے دلوں میں میل آجاتا ہے۔ ہمیں دوسروں کی بات اتنے دھیان سے سننی چاہئی کہ نہ صرف ہمیں ان کے الفاظ یاد رہیں بلکہ ان کے وہ جذبات بھی ہماری نگاہ میں رہیں جن کی ترجمانی ان کے الفاظ کر رہے ہیں۔

13- **اگر آپ کو کوئی دکھ پہنچائے تو خود سے پہل کر کے معاملے کو صاف کریں** :- زندگی میں بے شمار مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ کوئی نہ کوئی ایسی بات کر دیتا ہے جو ہمارے لئے باعث رنج و ملال ہوتی ہے لیکن ایسی صورت میں جی ہی جی میں کڑھنے کی بجائے اس شخص کو واضح طور پر بتانا چاہئے کہ تمہاری فلاں بات سے مجھے دکھ پہنچا لیکن ایسا کرتے وقت خطاوار طبقہ بندی (Labelling) نہیں کرنی چاہئے اور نہ ہی اس کی عزت نفس کو اپنی طعن و ملامت کا نشانہ بنانا چاہئے۔ یاد رہے ہمارے جذبات' نقطہ ہائے نظر اور قوت مدرکہ حقائق نہیں ہیں لیکن ہم یہ اسی صورت میں جان سکیں گے جب ہم خود آگاہی سے کام لیں اور اپنے خیالات کو حقائق کا نعم البدل نہ سمجھیں۔

14- **اپنی غلطی کو تسلیم کیجئے اور معذرت طلب کیجئے** :- جب ہمارا کسی سے انسانی رشتہ تناؤ کا شکار ہو جائے تو اس نامناسب صورتحال کی جزوی ذمہ داری ہماری اپنی بھی ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں تناؤ دور کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہم غیر مشروط معافی کے طلب گار ہوں اور کھلے دل کے ساتھ اپنی غلطی کا اعتراف کر لیں۔ معافی مانگتے وقت اپنے رویے اور عمل کو درست ثابت کرنے کے لئے دلیلیں نہیں دینی چاہئے بلکہ اپنی جھوٹی انا کو پس پشت ڈال کر معافی مانگنی چاہئے۔

15- **نزاع لفظی کا کوئی جواب نہ دیں** :- جب آپ کو کوئی بحث و تمحیص میں الجھانا چاہے یا پھر آپ پر جھوٹی الزام تراشی

ے تو آپ اس کی کسی بات کا جواب دیے بغیر دامن جھٹک
رخصت ہو جائیں۔ اگر آپ نے ترکی بہ ترکی جواب دینے
روع کر دیے تو پھر منفی جذبات کی آگ بھڑک اٹھے گی اور
عاملہ بگڑ جائے گا۔ دوسرے کی تنگ نظری اور بے جا تنقید کو
مل طور سے نظر انداز کیجئے۔ ہر وقت اپنے موقف کے حق
یں استدلال کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی اور نہ ہی اپنی صفائی
پیش کرنے کی چنداں ضرورت ہوتی ہے۔ جھگڑالو لوگوں کا بہترین
علاج یہ ہے کہ آپ انہیں سلامتی کی دعا دے کر ان سے
علیحدہ ہو جائیں آپ کا یہ طرز عمل انہیں اپنے غیر متوازن
روش زندگی پر نظر ثانی کرنے کا موقعہ فراہم کرے گا۔

16- ان لوگوں کو انفرادی توجہ دینی چاہئے جنہیں ہم
متاثر کرنا چاہتے ہیں :- ہر شخص چاہتا ہے کہ اسے انفرادی
توجہ دی جائے۔ اسے مرکز توجہ بنایا جائے۔ کچھ لوگ ایسے بھی
دیکھے گئے ہیں جو سماجی بھلائی کے کاموں میں اتنے آگے نکل
جاتے ہیں کہ ان کے اہل خانہ مکمل طور پر نظر انداز ہو جاتے
ہیں۔ عوام الناس کی حالت بہتر بنانے کے لئے تعمیر ملت کے
لئے تگ و دو کرنا بے شک مستحسن فعل ہے لیکن اس کے
مقابلے میں اپنے اہل خانہ سے مودت و رحمت کا رشتہ قائم کرنا
زیادہ بلندی کردار کا ثبوت ہے۔ اس لئے ہمیں اپنے تمام
اراکین خاندان کے لئے اور ان لوگوں کے لئے وقت نکالنا
چاہئے جن کے دل میں ہم گھر بنانا چاہتے ہیں۔ وہ وقت اپنے
پیاروں اور ان کے لئے "یکتا" مخصوص ہونا چاہئے جنہیں ہم
اپنے پیاروں کی صف میں شامل کرنا چاہتے ہیں۔

17- اختلافات کو پس پشت ڈال کر باہمی دلچسپی کے
امور کو مرکز توجہ بنائیں :- ہمارے اور لوگوں کے درمیان
بیشتر چیزیں مشترک ہوتی ہیں۔ ہم بیشتر امور میں ان سے اتفاق
کرتے ہیں۔ ہم اگر باہمی دلچسپی کے امور کو مرکز توجہ بنائیں تو
ہمارے رشتے مضبوط ہونگے اور قربتیں دوریوں کی جگہ لیں گی۔
اختلافی امور کی موجودگی سے انکار نہیں لیکن انہیں اتحاد و یکجہتی
کے راستے کی رکاوٹ نہیں بننا چاہئے۔ یاد رہے ہمارا زاویہ نگاہ
کبھی بھی انسانی رشتوں سے زیادہ اہم نہیں ہوتا۔

18- لوگوں پر اثر انداز ہونے کے لئے اپنے اندر اثر
پذیری پیدا کرنا ہو گی :- ہم لوگوں پر اسی صورت میں اثر
انداز ہو سکتے ہیں جب وہ محسوس کریں کہ ہم بھی ان سے متاثر
ہو سکتے ہیں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ "مجھے اس کی پرواہ
نہیں کہ تم کتنے بڑے صاحب علم ہو، میرے لئے اصل اہمیت
اس چیز کی ہے کہ تم میرا کتنا خیال رکھتے ہو"۔ جب ہمارے
مخاطب کو کلی طور پر اطمینان ہو جائے کہ ہم اس کی قدر کرتے
ہیں اور اس کے ذاتی مسائل کا ادراک رکھتے ہیں تو اسے یقین
ہو جاتا ہے کہ اس نے بھی ہمیں متاثر کیا ہے پھر وہ کھلنا شروع
ہو جاتا ہے اور اپنا دل ہمارے سامنے رکھ دیتا ہے تاکہ ہم اس
کے اندر اپنی من پسند تبدیلی پیدا کر سکیں۔ ہم نسخہ اسی صورت
میں قبول کرتے ہیں جب ہمیں درست تشخیص کا اطمینان ہو
جائے۔

19- ہمیں ہر فرد کو اس کی انفرادیت سمیت قبول کرنا
چاہئے :- کسی کو تبدیل کرنے کے لئے ہمیں اسے من و عن
قبول کرنا ہو گا۔ جب بھی ہم کسی کا احتساب شروع کر دیتے ہیں
اور اس کا تقابل دوسروں سے کرتے ہیں تو ہمارا سامع اپنے
دفاع پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس دوسرے کو قبول
کرنے سے اور اس کی ذات کا اثبات کرنے سے ہم اسے اپنا
دفاع کرنے کی ضرورت سے آزاد کر دیتے ہیں اور اس کے اندر
ارتقاء پذیر ہونے کی خواہش کو پروان چڑھاتے ہیں۔ جو جیسا
ہے اسے ویسا ہی قبول کرنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ہم
اس کے زاویہ نگاہ سے اتفاق کریں یا اس کی کمزوریوں سے چشم
پوشی کریں۔ قبول کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ ہم دوسرے کو
محض انسان ہونے کی حیثیت سے واجب التکریم سمجھیں اور
اس بات کو تسلیم کریں کہ ہر شخص اپنے خاص انداز میں سوچتا
ہے اور اپنے منفرد جذبات رکھتا ہے۔

20- کچھ بھی کہنے سے قبل اپنے ذہن کے خیالات اور
دل کی کیفیات کا جائزہ لیجئے :- بات کرنے کا طریقہ بات

سے زیادہ اہم ہوتا ہے۔ جب ہم باطنی اعتبار سے عدم تحفظ کا شکار ہوں یا پھر جذباتی تناؤ میں مبتلا ہوں تو ایسی حالت میں ہمیں ابلاغ سے پرہیز کرنا چاہئے۔ مثال کے طور پر آپ اس وقت اپنی باطنی کیفیات کا جائزہ لیں جب آپ کے بچے اسکول سے گھر آرہے ہو۔ اس وقت اپنی پریشانیوں کو پس پشت ڈال کر بچوں کی ضرورتوں اور ان کے مسائل کو پوری توجہ کے ساتھ سننے کے لئے اپنے دل و دماغ کو تیار کریں۔ اسی طرح جب آپ دفتر سے گھر آرہے ہوں تو اپنی اندرونی حالت کا جائزہ لیں اور اپنے آپ سے پوچھیں کہ آج میں کیسے اپنے بیوی بچوں کے لئے باعث رحمت بن سکتا ہوں۔ جب آپ اپنی مثبت و بہترین ذات کو بروئے کار لائیں گے تو نہ صرف آپ کی تھکن کا مداوا ہو گا بلکہ آپ کا اپنے اہل خانہ سے تعلق بھی مستحکم ہو گا۔ اسے ہمیشہ یاد رکھیں کہ جب بھی آپ دل و دماغ کی پوری یکسوئی سے دوسرے کی سنیں گے تو آپ ان پر اثر انداز ہونے کی پوزیشن میں آجائیں گے۔

21- **جھگڑنے سے اور چھوڑ کر بھاگ جانے سے اجتناب کیجئے** :- اختلافات کے اندھیروں کو باہمی گفتگو کے اجالوں سے رفع کیجئے۔ اکثر و بیشتر لوگ اختلافات کی صورت میں لڑنے مرنے پر اتر آتے ہیں یا پھر منہ پھیر کر رخصت ہو جاتے ہیں۔ جھگڑنے کی کئی صورتیں ہیں مثلاً کچھ لوگ متشدد ہو جاتے ہیں جبکہ کچھ دوسرے طعن و تشنیع سے غصے کا اظہار کرتے ہیں۔ اسی طرح سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر تعلق سے منہ موڑنے کی بھی متعدد صورتیں ہیں۔ کچھ لوگ کنارہ کشی اختیار کر لیتے ہیں جبکہ دوسرے خود رحمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ یہ آزردگی انتقام کی آگ کو بھڑکاتی ہے اور مستقبل کی چپقلشوں کا راستہ ہموار کرتی ہے۔ ہمیں اختلافات کی صورت میں سرد مہری سے اور سیخ پا ہونے سے احتراز کرنا چاہئے اور دوستانہ ماحول پیدا کر کے باہمی بات چیت سے اختلافات کی بند گلی میں سے راستہ پیدا کرنا چاہئے۔

22- **دوسروں کو سکھانے کے لئے ماحول پیدا کریں** :- اختلاف رائے کی صورت میں موقع ہوتا ہے کہ ہم دوسرے پہ اپنے موقف کی صحت کو ثابت کریں لیکن یاد رہے کہ جب دوسرے خطرہ محسوس کر رہے ہوں یا پھر جذباتی شکست و ریخت کا شکار ہوں تو ایسی حالت میں ہمارے وعظ ان کی آزردگی میں اضافے کا باعث بنیں گے۔ اسی طرح ہم بھی جب غصے میں ہوں یا پھر بد دل ہوں تو ہمیں لوگوں کو درس دینے سے احتراز کرنا چاہئے۔ ہمیں یہ قطعاً" نہیں بھولنا چاہئے کہ ہم کسی کو کچھ سکھائیں پڑھائیں نہ بھی تو ہمارا طرز عمل متواتر لوگوں کو کچھ نہ کچھ سکھا رہا ہوتا ہے۔

23- **مستقل اقدار کے اتباع میں زندگی بسر کرنی چاہئے** :- جب زندگی بسر کرنے کے لئے مستقل اقدار نہ ہوں تو پھر موقع پرستی ہی زندگی بسر کرنے کا طریقہ بن جاتا ہے۔ زندگی پر قانون کی حکمرانی اس صورت میں ہو گی جب زندگی بسر کرنے کے اصول روز روز نہ بدلیں۔ قانون کی تو تعریف ہی یہ ہے کہ اگر۔ پھر۔ ہمیشہ' اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر ایسا کرو گے تو پھر ہمیشہ ایسا ہو گا۔ زندگی جب قانون مکافات عمل کے تحت بسر ہونے لگے تو اس میں توازن آجاتا ہے۔ ہمارے اندر حسن کردار بھی اس وقت پیدا ہوتا ہے جب ہم مستقل اقدار کی روشنی میں اپنی زندگی بسر کرتے ہیں اس سبب سے ہمارے باہمی تعلقات بھی خوشگوار رہتے ہیں۔

24- **نہ تو ترک کرنا چاہئے اور نہ ہی گھٹنے ٹیکنے چاہئے** :- لوگوں کو ان کے اعمال کے نتائج سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرنا ان پر ظلم کرنے کے مترادف ہے۔ جب ہم ایسا کرتے ہیں تو ہم انہیں ان کی کمزوری کا یقین دلاتے ہیں اور "بخشش" کا غیر قرآنی تصور متعارف کرواتے ہیں۔ جب کوئی غیر ذمہ داری کا ثبوت دے تو اس سے ہمدردی کر کے اسے بگاڑنا نہیں چاہئے۔ بلکہ اس کے ساتھ حقیقی بھلائی یہ ہو گی کہ اسے اس کی ناعاقبت اندیشی کے سنگین نتائج سے خبردار کریں۔ اسی طرح ہمیں بے نیازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے لوگوں کو ان کے

حال پر بھی نہیں چھوڑ دینا چاہئے۔ اصول یہ ہے کہ خود منظم اور اصول پرستی کی زندگی بسر کریں اور لوگوں کو ان کے اعمال کے نتائج سے وقتاً فوقتاً خبردار کرتے رہیں۔

25- لوگوں کی زندگی کے اہم موڑ پر ان کی مدد کے لئے موجود رہیں :- ہم میں سے کوئی بھی یہ نہیں چاہتا کہ ہمارے پیارے دور رس نتائج کے حامل فیصلے جذباتی حالت میں کریں کیونکہ جذبات کی تند و تیز آندھی میں کچھ بھی صاف نظر نہیں آتا۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب ہمارے پیارے اندھے جذبات کی پیروی کر رہے ہوں جو سنگین نتائج کے حامل ہو تو پھر ہمیں کیا طرز عمل اختیار کرنا چاہئے۔ ایسی صورتحال میں اگر ہم بھی طیش میں آکر انہیں کوسنے لگیں اور آپے سے باہر ہو جائیں تو پھر ہماری صورتحال کو بہتر کرنے کی قوت سلب ہو جاتی ہے۔ اس لئے ہمیں پہلے تو یہ سمجھنا چاہئے کہ عمل کی قوت محرکہ علم نہیں جذبات ہوتے ہیں۔ جب ہمارے پیارے سستی جذباتیت کا شکار ہوں تو ہمیں ان کے ساتھ جذباتی یک رنگی قائم کر کے ان کی جذباتی کیفیت کو سمجھنا چاہئے۔ جب ہم ان کی جذباتی حالت سے ہم آہنگی قائم کریں گے تو ہمارے عزیزوں کو یقین ہو جائے گا کہ غیر متوازن جذباتی حالت کے باوجود ان کی اہمیت کم نہیں ہوئی اور وہ ہم تک اپنے جذبات بلا روک ٹوک پہنچا سکتے ہیں۔ اس طرح ہم انہیں اپنے "پاسبان عقل" سے رجوع کرنے میں مدد بھی دے سکتے ہیں۔

26- عقل و جذبات کی "زبان" بولنا سیکھئے :- جذبات کی "بولی" عقل کی لسان سے یکسر مختلف ہے۔ ان دونوں بولیوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ابلاغ اس وقت تک موثر نہیں ہو سکتا جب تک سننے اور سنانے والے کی بولی مشترک نہ ہو۔ اپنے اور مخاطب کے مابین مشترکہ زبان کو وجود میں لانے کے لئے ہمیں اول تو خوش دلی سے انہیں وقت دینا ہو گا کیونکہ جب ہم خوش دلی سے دوسرے کو وقت دیتے ہیں تو دراصل ہم انہیں اپنی عزیز ترین دولت سے نوازتے ہیں کیونکہ دنیا کا سب سے بڑا سرمایہ ہمارا اپنا وہ وقت ہوتا ہے جو ہم برضا و رغبت دوسروں کے ساتھ جذباتی ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے انہیں دیتے ہیں۔ دوم یہ کہ ہمیں صبر و تحمل سے کام لینا چاہئے تاکہ ہمارا مخاطب جذباتی ہیجان سے باہر نکل آئے۔ جب ہم لوگوں کے ساتھ صبر و تحمل کا مظاہرہ کرتے ہیں تو ہم انہیں یہ احساس دلاتے ہیں کہ ہم ان کی قدر و قیمت پہچانتے ہیں اور انہیں وقت دے رہے ہیں تاکہ وہ اپنی غیر ذمہ دارانہ روش سے الٹے پاؤں لوٹ آئیں۔ سوم یہ کہ ہمیں اپنے مخاطب کو غیر جانبدار ہو کر سمجھنا چاہئے کیونکہ جب ہم ایسا کرتے ہیں تو ہمارا مخاطب ذاتی دفاع کی ضرورت سے ماورا ہو جاتا ہے اور اسے ہم پر اپنے موقف کی صحت ثابت کرنے کے لئے جارحیت کا سہارا نہیں لینا پڑتا۔ چہارم یہ کہ ہمیں اپنے جذبات و احساسات کا بھی کھل کر اظہار کرنا چاہئے اور یہ پیش نظر رکھنا چاہئے کہ الفاظ کی صورت میں ڈھلنے والے ہمارے احساسات و جذبات ہمارے غیر لفظی اظہاریے سے ہم آہنگ ہوں۔

27- ذمہ داریاں تفویض کیجئے :- جب ہم لوگوں کو ذمہ داری سونپتے ہیں تو دراصل ہم انہیں اجازت دیتے ہیں کہ وہ ہمارے وقت، سرمائے اور نیک نامی کو تختہ مشق بنائیں۔ یہ سب خود تنظیمی، صبر و تحمل، لوگوں کی امکانی صلاحیتوں پر اعتماد اور انفرادی اختلافات کو قبول کرنے کا تقاضا کرتا ہے۔ ذمہ داری تفویض کرنا دو طرفہ معاملہ ہے۔ ذمہ داری سونپی جاتی ہے اور قبول بھی کی جاتی ہے۔ اپنے پیاروں کے اندر احساس ذمہ داری پیدا کرنے کے لئے ہمیں اول تو ان پر یہ واضح کرنا ہو گا کہ ان سے کیا توقعات رکھی جاتی ہیں اور کتنے وسائل میسر ہیں۔ رہنما اصول کیا ہیں اور مقتدر ہستی کون سی ہے۔ دوم ہمیں ان کی بھرپور مدد بھی کرنی چاہئے اور حتی المقدور ان کے راستے کی رکاوٹیں بھی دور کرنا ہونگی۔ سوم ہمیں ان کے اندر جوابدہی کے احساس کو پختہ کرنے کے لئے ان کی کارکردگی کی بنیاد پر ان کا مواخذہ کرنا چاہئے۔

28- لوگوں کو بامعنی اور تعمیری پروگراموں میں شریک کیجئے :- بامعنی پروگرام اپنے اندر شفایابی کا عنصر رکھتے ہیں۔ البتہ

ایسا ممکن ہے کہ منتظم کے لئے جو کچھ بامعنی ہو' وہ ماتحتوں کے لئے بے معنی ہو۔ تاہم منصوبے اس وقت بامعنی ہوتے ہیں جب سارے متعلقہ لوگ منصوبہ بندی کے عمل میں شریک ہوں اور ان کی سوچی سمجھی رائے اس میں شامل ہو۔ ہم سب کو کسی نہ کسی اچھے مقصد کے لئے اپنے آپ کو مشغول رکھنا چاہئے۔ کسی مقصد کے بغیر زندگی اپنا مفہوم کھو بیٹھتی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ وہ لوگ جو بے مقصد زندگی بسر کرتے ہیں ان کی زندگی مختصر ہوتی ہے۔ زندگی حصول مقصد سے پروان چڑھتی ہے اور مقصد کی لگن اس میں توانائی پیدا کرتی ہے۔

29- "جو بویا وہی کاٹو گے" کے اصول پر تربیت کیجئے:- ہمیں لوگوں کو بتانا چاہئے کہ ان کی زندگی قانون مکافات عمل کے تابع ہے۔ جس طرح کسان اپنے کھیت پر مدتوں ریاضت کرتا ہے اور پھر کہیں جا کر اس کی امیدوں کی فصل اگتی ہے۔ اسی طرح انسان کی ذات کا ارتقاء بھی قوانین خداوندی سے ہم آہنگی پر منحصر ہے۔ ہمارا ہر عمل اپنا ایک نتیجہ مرتب کرتا ہے۔ ہم اعمال کے انتخاب میں تو آزاد ہیں لیکن نتائج ہمارے اختیار میں نہیں ہیں۔ اعمال کے نتائج خدا کا قانون مکافات عمل مرتب کرتا ہے۔

30- لوگوں کو موقعہ دیجئے کہ وہ اپنے اعمال کے منطقی نتائج سے ذمہ دارانہ طرز عمل سیکھ سکیں:- جب ہم اپنے عزیزوں کو غیر معتبر طرز عمل کے ناپسندیدہ نتائج سے بچانے کی کوشش کرتے ہیں تو ہم درحقیقت ان کی بربادی کا سامان کر رہے ہوتے ہیں اور ان کے لاابالی پن کو تقویت دیتے ہیں۔ سچی محبت کا یہ تقاضا ہے کہ ہم اپنے پیاروں کو ان کی ناعاقبت اندیشی کی سزا بھگتنے دیں تاکہ وہ مستقبل میں فرائض زندگی سے ذمہ داری کے ساتھ عہدہ برآ ہو سکیں۔

آخر میں سب سے اہم بات یہ کہ لوگ ہم سے حقیقی طور پر اس وقت متاثر ہونگے جب ہم ان کے سامنے اپنے حسن کردار کو بطور شہادت پیش کر سکیں گے۔ ہمارے پیارے نبیؐ نے بھی خدا کا سچا رسولؐ ہونے کی گواہی اپنے حسن کردار سے دی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ "میں نے تم لوگوں کے درمیان اپنی زندگی بسر کی ہے تو کیا وہ زندگی کسی جھوٹے انسان کی تھی یا سچے کی"۔ سب نے یک زبان ہو کر کہا تھا کہ ہم آپؐ کی صداقت اور امانت کے شاہد ہیں۔ ہمیں بھی اپنے قول و فعل میں تضاد ختم کرنا ہو گا اور اپنے حسن کردار سے لوگوں کے دل فتح کرنے ہونگے۔ لوگ زبانی جمع خرچ سے متاثر نہیں ہوتے۔ وہ یہ نہیں دیکھتے کہ کہا کیا جا رہا ہے بلکہ وہ یہ دیکھتے ہیں کہ کون کہہ رہا ہے۔ کہنے والے کا بے داغ کردار ہی اپنے اندر اصل تاثیر رکھتا ہے۔

سانحہ ارتحال

وابستہ دامن قرآنی محمد اکرم شاہ صاحب مقیم ناروے کی والدہ محترمہ گذشتہ ماہ وفات پا گئیں۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو اپنے سحاب کرم سے نوازے۔ ادارہ محمد اکرم شاہ صاحب اور مرحومہ کے اعزہ و اقارب کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

(ناظم ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سہیل درانی

کیا زکوٰۃ واقعی ایک معاشی نظام ہے؟

راقم گذشتہ دو سالوں میں مختلف حیثیتوں سے ایک فلاحی انجمن سے منسلک رہا ہے۔ اس دوران زکوٰۃ، صدقات اور قربانی کی کھالوں کی رقوم کی بھی معلومات اور ان کی ترسیل وغیرہ کی بھی آگاہی رکھتا تھا۔ کام کے دوران معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کے جو بنیادی معنی ہیں یعنی نشوونما دینے کے۔ اس کا استعمال تو اس پورے ملک میں کہیں نہیں ہو رہا۔ بلکہ زکوٰۃ کا پیسہ غیر پیداواری اخراجات میں خرچ ہو جاتا ہے اور بجائے مسلمانوں کے مالدار ہونے کے تمام اسلامی ممالک میں غربت روز بروز بڑھ رہی ہے۔

اب کچھ دلائل کی بات:- میں نے اپنے دلائل کی بنیاد مولانا مودودی کی تفہیم القرآن اور مفتی شفیع و مفتی رفیع کے رسالے "قرآن میں نظام زکوٰۃ مع احکام زکوٰۃ" کو بنایا ہے۔ کیونکہ یہ دونوں حضرات مذہبی حلقوں میں جانے پہچانے جاتے ہیں اور اس ملک کے بہت سے لوگ ان کی ذہنی غلامی میں جکڑے ہوئے ہیں۔ قرآن میں زکوٰۃ کے بارے میں بنیادی اور مفصل آیت سورۃ توبہ کی 60 ویں آیت ہے۔ جس کا سیدھا سادا ترجمہ یہ ہے "صدقات یعنی زکوٰۃ و خیرات تو مفلسوں اور محتاجوں اور کارکنان صدقات کا حق ہے اور ان لوگوں کا جن کی تالیف قلوب منظور ہو اور غلاموں کے آزاد کرنے میں اور قرض داروں کے قرض ادا کرنے میں اور خدا کی راہ میں اور مسافروں کی مدد میں بھی یہ مال خرچ کرنا چاہئے یہ حقوق خدا کی طرف سے مقرر کئے گئے ہیں اور خدا جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ (ترجمہ فتح محمد جالندھری)

اس کی تفسیر میں مولانا مودودی صاحب فرماتے ہیں "راہ خدا کا لفظ عام ہے۔ وہ تمام نیکی کے کام جن میں اللہ کی رضا ہو اس لفظ کے مفہوم میں داخل ہیں اسی وجہ سے بعض لوگوں نے یہ رائے ظاہر کی کہ اس حکم کی رو سے زکوٰۃ کا مال ہر نیک کام میں صرف کیا جا سکتا ہے۔ لیکن حق یہ ہے اور ائمہ سلف کی بڑی اکثریت اسی کی قائل ہے کہ یہاں فی سبیل اللہ سے مراد جہاد فی سبیل اللہ ہے، یعنی وہ جدوجہد جس سے مقصود نظام کفر کو مٹانا اور اس کی جگہ اسلامی نظام کو قائم کرنا ہو"

شروع میں تو مودودی صاحب خود تسلیم کر رہے ہیں کہ تمام نیکی کے کام اس مفہوم میں داخل ہیں مگر بعد میں یہ الفاظ "حق یہ ہے" اور "ائمہ سلف کی بڑی اکثریت اسی کی قائل ہے" کے الفاظ لگا کر اپنے مزاج شناس رسول ہونے کا ایک ثبوت اور پیش کر دیا ہے کیونکہ حق وہی ہے جو مولانا مودودی اور ان کے فرقہ کے ائمہ سلف کہیں اور وہ بعض لوگ جنہوں نے مودودی صاحب اور ان کے ائمہ سلف سے اختلاف کیا ہے وہ بے چارے "بعض لوگ" کہلائیں اور غلط ٹھہرے۔ حالانکہ وہ بھی بے چارے ائمہ سلف ہونگے۔ جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے۔

اب آئیں ائمہ سلف کی طرف۔ یقیناً یہ ائمہ سلف اپنے زمانے کے عالم فاضل ہونگے۔ مگر کیا اکیسویں صدی کا مسلمان ان کی رائے کا پابند ہے۔ کیا وہ ان کے فتوؤں میں سے کریڈٹ کارڈ، کلوننگ، اور خلائی تحقیق کے بارے میں رائے مانگے گا۔ یقیناً نہیں۔ ہر زمانے کا انسان اپنی آزادانہ رائے رکھتا ہے اور

کسی کی تقلید نہیں کرتا ہے۔ اسلام کی مثال بہتے پانی کی طرح ہے اگر یہ بہتا رہا تو تازہ رہے گا اگر ایک جگہ ٹھہر گیا تو بدبو دار ہو جائے گا۔ میری جماعت اسلامی کی قیادت سے درخواست ہے کہ وہ اس بارے میں تمام مذہبی قیادت سے مکالمہ کریں اور اس بارے میں اجتہاد سے کام لیں۔ کیونکہ اب تو اسلامی نظریاتی کونسل نے بھی تمام ملکی قرضے زکوٰۃ سے ادا کرنے کی سفارش کر دی ہے۔ (جنگ کراچی۔ 25 Oct, 99)۔

یہاں تک تو پہنچے -- یہاں تک تو آئے"

Law of Necessity کیا ہے؟ یعنی قانون ناگزیریت" جب ناگزیریت کے ہاتھوں مجبور ہو کر ہمارے مولوی حضرات نے دیکھا کہ لوگ زکوٰۃ تو بے تحاشا دیتے ہیں البتہ چندہ وغیرہ یعنی (General Fund) اتنا نہیں دیتے تو انہوں نے سوچا کہ پھر مدرسے وغیرہ کس طرح قائم ہوں گے۔ اس کا حل انہوں نے حیلہ تملیک کے نام سے نکالا۔ جس کی Definition یہ ہے کہ زکوٰۃ کا پیسہ کسی غریب کو دے دیتے ہیں اور پھر وہ اپنی مرضی سے واپس لوٹا دیتا ہے۔ اس طرح یہ (Fresh Fund) کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ پھر اس کو ہر کام میں خرچ کیا جا سکتا ہے۔ یہ ہے حیلہ تملیک۔ لاکھ آپ کہیں کہ جس غریب آدمی کو زکوٰۃ دی جا رہی ہے وہ واپس کیوں کرنے لگا وہ ان پیسوں سے پہلے اپنی غربت ختم کیوں نہیں کرے گا۔ مگر اس " غریب . آدمی" سے ہمارے مولوی حضرات کی درپردہ Under Standing ہوتی ہے جس طرح حلالہ میں ہوتی ہے۔ لاکھ یہ انکار کریں مگر حلالہ اور حیلہ دونوں میں آف دی ریکارڈ Commitment ہوتی ہے۔ یہ سیدھا سادا اللہ کے ساتھ (نعوذ باللہ) مکر ہے مگر اس کو اسلامی عمل کہا جاتا ہے۔

اجتہاد کیا ہے؟ جیسے جیسے زمانے کے تقاضے آتے جائیں ایسے ایسے ان مسائل کا حل زمانے کی روح کے مطابق نکالا جائے۔ جس کا کوئی پہلو قرآن کے بنیادی اصولوں سے متصادم نہ ہو۔ مگر ہمارے مولوی حضرات صدیوں پرانے فتوؤں کے غلام بنے ہوئے ہیں۔ آج 3.C (Credit Card,Cloning,Computer) کے دور میں آپ کو مفتی شفیع کے رسالے میں صفحہ 16 پر یہ بھی پڑھنے کو ملے گا کہ "کیونکہ تصریحات احادیث کے مطابق پچھلی امتوں میں جو مال اللہ کے لئے نکالا جاتا تھا اس کا استعمال کسی کے لئے جائز نہ تھا بلکہ دستور یہ تھا کہ اس کو کسی علیحدہ جگہ پر رکھ دیا جاتا تھا اور آسمانی بجلی آکر اس کو جلا دیتی تھی۔ یہی علامت تھی اس بات کی کہ یہ صدقہ اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا اور جہاں یہ آسمانی آگ نہ آئی تو صدقہ کے غیر مقبول ہونے کی علامت سمجھی جاتی پھر اس منحوس مال کو کوئی ہاتھ نہ لگاتا تھا"۔ دیکھی آپ نے قبولیت کی علامت۔ آپ مفتی شفیع صاحب کے رسالے کا مطالعہ کریں۔ آپ کو اس میں کئی "اسلامی عمل" ملیں گے۔

سورۃ توبہ کی اس آیت میں جو Key-Word ہے وہ فی سبیل اللہ ہے۔ جس کا مطلب ہر وہ کام جس سے انسانیت ترقی کرے' معاشرہ ترقی کرے' ماحول ترقی کرے' اس زمرے میں آتے ہیں۔ اجتماعی طور پر حکومت اس پیسے کو رفاہ عامہ کے کاموں میں خرچ کر سکتی ہے۔ انجمنیں اور کمیونٹیز وغیرہ بھی اپنے لوگوں کی فلاح و بہبود پر خرچ کر سکتی ہیں جیسے جیسے ان کی ترجیحات ہوں۔ ان سب کی ترقی سے ہم یقیناً Welfare State کی طرف بڑھ سکیں گے جو کہ حقیقی اسلام ہے۔ یعنی انسانیت کی نشوونما' مغربی ممالک کو لاکھ برا کہیں کم از کم وہ لوگ مادی پیمانوں سے ضرور انسانیت کی معراج پر ہیں جبکہ ہم مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ "نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم"۔

یہ کیسے فتاویٰ ہیں کہ مریضوں کو دوائیں تو دی جا سکتی ہیں مگر ان کو دوائیں دینے کے لئے ہسپتال یا میڈیکل سینٹر ان پیسوں سے آپ نہیں بنا سکتے۔ مسافروں کی تو مدد کی جا سکتی ہے مگر مسافروں کے لئے سڑکیں' سرائے اور پانی کی سبیلیں وغیرہ نہیں بنوا سکتے۔ یہاں تک کہ آپ ان پیسوں سے مسکینوں کو کھانا تک نہیں کھلا سکتے۔ غرض عجیب مضحکہ خیز صورتحال ہے۔ یعنی فتوؤں کے مطابق ہسپتال بنانا' سڑکیں بنانا اللہ کی راہ نہیں

ہے۔ بلکہ اللہ کی راہ وہ ہے جو یہ خدائی ٹھیکیدار بتائیں۔ اس وقت ہمارے ملک کے تمام مولوی علامہ اقبال کو سراہتے ہیں اور اکثر اپنی تقریروں میں اقبال کے شعر سناتے ہیں۔ مگر وہ کبھی بھی عوام کو یہ اشعار نہیں سناتے۔

دین کافر فکر و تدبیر جہاد
دین ملا فی سبیل اللہ فساد

قوم کیا چیز ہے قوموں کی امامت کیا ہے
اس کو کیا جانیں یہ بے چارے دو رکعت کے امام

میری ملک کی تمام مذہبی قیادت سے دردمندانہ گزارش ہے کہ خدارا اس معاملے میں جلد از جلد اجتہاد سے کام لیں۔ کیونکہ غربت روز بروز بڑھ رہی ہے۔ دنیا میں مہاجرین میں سب سے زیادہ تعداد مسلمانوں کی ہے۔ چیچنیا، بوسنیا، کشمیر میں کیا ہو رہا ہے یہ سب معیشت کی کمزوری کی وجہ سے ہے ورنہ روس میں لوگ ایٹمی ملک اور سپر پاور ہونے کے باوجود روٹی کے لئے عیسائی نہ ہو رہے ہوتے۔ خدارا زکوٰۃ کے صحیح قرآنی مفہوم پر عمل پیرا ہو کر اس ملک کو Welfare-State بنائیں۔ یہ جو ہمارے ملک میں (Brain Drain) ہو رہا ہے اس کے پیچھے بھی معیشت کا چکر کارفرما ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم بانجھ ہو جائیں۔ خدارا وقت کی رفتار کو پہچانیں اور زکوٰۃ کے نظام میں نظر ثانی کریں۔ ورنہ آنے والی نسلیں ہمیں کبھی معاف نہیں کریں گی۔

جہاں بھونچال بنیاد فصیل و در میں رہتے ہیں
ہمارا حوصلہ دیکھو ہم ایسے گھر میں رہتے ہیں

پیپلز کلیرنگ ایجنسی
کسٹم ہاؤس سے منظور شدہ
کلیرنگ اینڈ فارورڈنگ ایجنٹ
۲۵ سالہ تجربہ کار
کلیرنگ اور فارورڈنگ کے معاملات میں ایک قدم آگے
ہمارے ۲۵ سالہ تجربہ سے دوسروں کے مقابلے میں زیادہ فائدہ۔
ہم آپکی خدمت کیلئے ہمہ وقت تیار ہیں۔
۵۔ وقار سینٹر، فرسٹ فلور رام بھارتی اسٹریٹ، جوڑیا بازار۔ کراچی
فون: ۲۴۲۶۱۲۸ ۲۴۳۱۰۴۵-۲۴۳۷۵۳۷
فیکس نمبر:۔
ٹیلیکس: ۲۱۰۴۳ BTC PK

DARS-E-QURAN

IN ENGLAND

UNDER THE MANAGEMENT OF BAZM TOLU-E-ISLAM LONDON

Place	Day	Time
76 Park Road, ILford, Essex IGI 1SF	FIRST SUNDAY OF THE MONTH Ph: 020-8553-1896 E-mail: maqbool.farhat@virgin.net	14.30
53 Downlands Drive Southgate West Crawley West Sussex RH11 8QZ	EVERY LAST SUNDAY OF THE MONTH *Contact* M.Khalil: Ph: 01293 446258 Or Arshad Mahmood:01293 419 784	14.30
373 Whitton Dene Hounslow Middlesex TW7 7NF	EVERY 3RD SUNDAY OF THE MONTH Ph:Tariq Aziz: 020-8755-1099 Mobile: 07939 017117	14.30
LADIES ONLY 72 Herent Drive Clayhall ILford, Essex IG5 OHG	EVERY LAST FRIDAY OF THE MONTH Ph:Rubina Khawaja: 020-8550-3893 Or Suriaya Farhat : 020-8553-1896	12.30

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(ادارہ)

حقائق و عبر

بنک کا سود حرام' بنک کے سود کا کھانا حلال

ہر سال سیرت النبی کی قومی کانفرنس میں کسی نہ کسی بنک کی جانب سے کھانا دیا جاتا ہے۔ اس کے بارے میں اخباری رپورٹ۔

"مولویوں کی کھانے پر یلغار' مشروبات گر گئے' سموسے ٹکڑے ٹکڑے"

اسلام آباد (سپیشل رپورٹر) قومی سیرت کانفرنس کے اختتام پر آئے ہوئے معززین کو پیش کئے جانے والے کھانے پر ملک بھر سے آئے ہوئے مولوی شہد کی مکھیوں کی طرح ٹوٹ پڑے' چھینا جھپٹی کے دوران اکثر مولویوں نے سموسے اور مشروبات گرا دیئے۔ تفصیلات کے مطابق قومی سیرت کانفرنس کے اختتام پر جب معززین کو ریفرشمنٹ کے لئے کھانا دیا گیا تو آئے ہوئے مولوی دوڑ کر سموسوں اور مشروبات پر جھپٹ پڑے اور چھینا جھپٹی کے دوران اکثر مولوی حضرات ایک دوسرے کے ہاتھوں سے سموسے چھینتے رہے اور گیلری میں بیٹھی خواتین مولویوں کا یہ تماشہ حیرت سے دیکھتی رہیں۔

(روزنامہ دوپہر' لاہور 17 جون 2000ء)"

ایک سال راقم کو بھی سیرت النبی کی قومی کانفرنس میں شرکت کا موقع ملا۔ اسٹیٹ بنک کی عمارت کے کھانے کے کمرہ کا ایک چھوٹا سا دروازہ ہے۔ جس سے ہمارے علماء حضرات رش کر کے گزرنے کی کوشش کرتے ہیں تو اکثر حضرات گر جاتے ہیں۔ دروازے کے ساتھ ہی متعلقہ بنک کی طرف سے نوٹس چسپاں ہوتا ہے کہ یہ فلاں بنک کی طرف سے مہیا کیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے بنک سود کی رقم سے یہ کھانا مہیا کرتے ہیں۔ جس سال راقم نے اس کانفرنس میں شرکت کی' اس سال مسلم کمرشل بنک نے یہ کھانا مہیا کیا تھا۔ راقم کھانے کے کمرے کے دروازے کے ساتھ بنک کا نوٹس دیکھ کر ٹھٹھر گیا اور اپنے ساتھ کھڑے ڈاکٹر ظہور احمد اظہر جو پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ عربی کے سربراہ تھے اپنی پریشانی کا ذکر کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ ابھی دیکھنا مولویوں کی فوج اس کھانے کی طرف کس طرح لپکتی ہے۔ کھانے کے وقت ان حضرات کو حرام و حلال کا خیال نہیں رہتا۔

مذہبی جماعتوں میں اسلام کا کوئی تصور نہیں

(طاہر القادری)

"داڑھی مونچھ کے سوا مذہبی جماعتوں سے ہماری کوئی قدر مشترک نہیں"

دینی جماعتوں میں اسلام کا کوئی تصور نہیں' ہماری جدوجہد نظام کی تبدیلی کے لئے ہے۔ طاہر القادری۔

(روزنامہ نوائے وقت' 19 جون 2000ء)

طلوع اسلام :-

علامہ طاہر القادری صاحب نے جو الزام دوسری دینی

جماعتوں پر لگا رہے ہیں کہ انہیں اسلام کا تصور نہیں تو دوسری جماعتیں یہی الزام ان پر لگاتی ہیں۔ پچھلے دنوں اخبارات میں کئی اہل علم نے ان سے اور دوسرے علماء سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے تصور اسلام کا خاکہ لوگوں کے سامنے پیش کر دیں۔ لیکن صرف امیر جماعت اسلامی نے ایسا کہنا کیا ہی اچھا ہو کہ طاہر القادری صاحب بھی اپنے تصور کے مطابق اسلامی نظام کا خاکہ پیش کر کے عوام کی پریشانی کو دور کر دیں۔ تاکہ انہیں معلوم ہو سکے کہ واقعی صرف انہیں کے پاس اسلام کا صحیح تصور ہے۔

جماعت اسلامی اور علماء
بلا تبصرہ

جماعت اسلامی اور اس کی قیادت کا رویہ شروع سے ہی اسلام دشمنی پر مبنی رہا: متعدد علماء کا بیان

لاہور (پ ر) جامعہ خیر المدارس ملتان کے مفتی مولانا مفتی عبدالستار خان جامعہ عید گاہ کبیر والا کے مفتی محمد انور اور دارالسلام کراچی کے مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی نے کہا ہے کہ جماعت اسلامی اور اس کی قیادت کا رویہ ابتداء سے ہی اسلام دشمن اور گمراہی پر مبنی ہے۔ ان علماء کرام نے مولانا محمد اجمل قادری سے فون پر گفتگو کرتے ہوئے ان کے دورہ فلسطین کی حمایت کی اور کہا کہ بیت المقدس کی زیارت کا حکم قرآن و سنت میں بار بار آیا ہے۔

(روزنامہ خبریں 22 جون 2000ء)

امریکہ' امریکہ ہے!

خبر آئی ہے کہ جماعت اسلامی کے سربراہ حضرت قاضی حسین احمد چین کے دورے سے براستہ جاپان' امریکہ کے دورے پر تشریف لے جا رہے ہیں جہاں وہ امریکی وزارت خارجہ کے اہم ذمہ داران سے خصوصی ملاقاتیں کریں گے۔ ان ملاقاتوں میں پاکستان کے ایٹمی پروگرام اور سی ٹی بی ٹی کے حوالے سے بھی تبادلہ خیال ہو گا (کہا تو یہ بھی جاتا ہے کہ دورے کے لئے پاکستان سرکار کے ذمہ داران نے خارجہ پالیسی اور نیو کلیئر پروگرام کے بارے میں قاضی صاحب کو بریفنگ دی ہے) گذشتہ سال بھی جناب قاضی جولائی ہی کے مہینے میں امریکہ جا چکے ہیں۔

امریکہ میں جماعت سے تعلق رکھنے والے لوگ بڑے منظم انداز میں کام کر رہے ہیں وہ حضرت قاضی صاحب کو امریکہ کی خوب "سیاحت" کروائیں گے (بھٹو دور میں جماعت اسلامی کو امریکی ایجنٹ کہا جاتا تھا اور طنز سے کہا جاتا تھا کہ ویزے اچھرہ سے جاری ہوتے ہیں۔ نیز یہ کہ سارا کام امریکی ڈالرز سے چلتا ہے اس تاثر کو جماعت نے امریکہ مخالف لابنگ سے زائل کرنے کی کوشش کی تھی)۔

امریکہ کے بھی کیا کہنے جو اس کے خلاف جلوس نکالے' جلسے کرے' خوب بیان دے' اس کو آسانی سے ویزے دیتا چلا جاتا ہے عوام کے لئے "لینڈ لارڈ' بڑا تاجر" ہونا بھی شرط قرار پاتا ہے۔ امریکہ کی اپنے مخالفوں پر "زرہ نوازی" کم از کم ہماری سمجھ میں نہیں آئی اسی طرح جس طرح حضرت قاضی صاحب کی امریکہ دشمنی کے ساتھ امریکہ روانگی سمجھ میں نہیں آئی۔

اس نا سمجھی کے باوجود میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی ہے (یہ کالم اسی خواہش کے باعث لکھ رہا ہوں) کہ قاضی صاحب کے دورہ کے دوران یا اس کے بعد کسی طرح ہمیں بھی امریکی ویزہ مل جائے تاکہ ہم اپنی آنکھوں سے امریکہ کی (قاضی صاحب کے دورہ کا باعث) کایا پلٹ ہوتے اور تمام امریکیوں کو جماعت کی اصطلاح میں "صالح" بنتے ہوئے دیکھ سکیں۔

ہم اچھا گمان رکھتے ہیں کہ اس دورہ کے بعد امریکہ کی تمام تر "اسلام دشمنی" ختم ہو جائے گی اور امریکہ پاکستان کا دیرینہ دوست ہی قرار پائے گا (کہ امریکہ اور پاکستان کا چولی دامن کا ساتھ ہے.... ہاں..... "چولی دامن کا".....

(ہفت روزہ اہلحدیث' لاہور' 16 تا 22 جولائی 2000ء)